قسط نمبر 3

ذات قلندر

امجد جاوید

قلندر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو شکر گزاری کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچ کر قرب الہیٰ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ رب تعالیٰ بھی ان کی خواہش کو رد نہیں کرتا۔ دوسرے وہ جو ذات کے قلندر ہوتے ہیں۔ ان کا پیشہ ہنر، ریچھ اور کتے نچانا ہوتا ہے۔ یہ کہانی ایک ایسے مرد آہن کی ہے جو ذات کا قلندر تھا۔ اس نے ان لوگوں کو اپنی انگلیوں پر نچایا جو اپنے تئیں دنیا مسخر کرنے کی دھن میں انسانیت کے دشمن بن گئے تھے۔ انسانی صلاحیتوں کی ان رسائیوں کی داستان جہاں عقل دنگ رہ جاتی ہے اور فکر حیران۔ اس داستان کی انفرادیت کی گواہی آپ خود دیں گے۔ کیونکہ یہ محض خامہ فرسائی نہیں مقاصد کا تعین بھی کرتی ہے۔

میں شاہ جمال کے علاقے سے نکل کر علامہ اقبال ٹاؤن کی جانب چل پڑا تھا۔ ٹریفک کا رش کافی زیادہ تھا۔ میرے اندر اضطراب نہیں تھا، اس لیے میں بڑے سکون سے ڈرائیونگ کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اس وقت میں کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھ پر ایک خاص طرح کی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ میں اسی کیفیت کا مزہ لے رہا تھا۔ میں ولید کے گھر کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کار روکتا، میرا سیل فون بج اٹھا۔ وہ اروند سنگھ کی کال تھی۔ میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جی، بولو اروند کیسے ہو؟" میں نے کہا ہی تھا کہ وہ پرجوش لہجے میں بولا۔

"میں نے اور فہیم نے اسے تلاش کرلیا ہے۔ وہ لاہور ہی میں کہیں ہے، وہیں ملے گا۔"

"کہاں ہے، کس جگہ پر؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"یہی اس کی تکنیک ہے، وہ حرکت میں رہتا ہے یا جو کچھ بھی وہ کرتا ہے۔ اس کا سیل فون حرکت میں ہے، اس کی جو لوکیشن دوسرے ملکوں سے ملتی تھی، وہی سمپل ہے کہ وہ یہاں سے کال کرتا تھا اور کوئی دوسری جگہ سے اور اسی سوفٹ ویئر سے کام لیتے تھے۔ بہرحال ذرا سی محنت سے وہ پکڑا جاسکتا ہے۔" اس نے مجھے سمجھاتے ہوئے بتایا

"لیکن ایک بات ہے اروند، وہ مجھے کیسے تلاش کرلیا کرتا تھا، میری لوکیشن کے بارے میں وہ پوری طرح باخبر رہتا تھا۔ لیکن ایک خاص وقت سے وہ مجھے تلاش نہیں کر پا رہا ہے، یہ کیا راز ہے۔" میں نے پوچھا۔

"وہ بھی معلوم ہوجائے گا۔ ممکن ہے اسے پکڑنے کے بعد اسی سے پتہ چل جائے۔" وہ قدرے مایوسانہ انداز میں بولا تو میں نے اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو اروند! یہ راز بھی مجھے معلوم ہوگیا ہے۔ لیکن اس وقت میں بتا نہیں پاؤں گا کیونکہ یہ سمجھانے والی بات ہے اور میں روڈ پر ہوں۔"

"کیا آپ اسے ابھی تلاش نہیں کریں گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ابھی نہیں، میں ابھی اس کے ساتھ تھوڑا کھیلنا چاہتا ہوں۔ کچھ سمجھنا چاہتا ہوں۔ تم پریشان نہیں ہونا، اس پراجیکٹ پر کام جاری رکھو، ممکن ہے اس سے بھی کسی مشکل اور جدید صورت حال سے ہمیں واسطہ پڑسکتا ہے۔" میں نے اسے سمجھایا

"یہ ہمارے ذہن میں پہلے ہی سے ہے، ہم اس پر کام کر رہے ہیں۔" اس نے خوش کن لہجے میں کہا تو ہم نے چند الوداعی باتوں کے بعد فون بند کردیا۔

میں ولید کے گیٹ پر پہنچ گیا تھا۔ میں نے اسے فون پر اپنے آنے کی اطلاع دی۔ منٹوں میں گیٹ کھل گیا اور میں اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔ ہمارے درمیان باتیں چلنے لگیں۔ وہ اپنی کوششوں کے بارے میں بتانے لگا۔ ایسے ہی کافی وقت بیت گیا۔ اس دوران میں نے اس کے ذمے چند کام لگائے اور اس کے پاس سے اٹھ گیا۔ میں کچھ اور ہی سوچ کر اس کے پاس گیا تھا لیکن مجھے وہ ساری باتیں بھول گئی تھیں۔ شاید میں وہ ساری باتیں کر لیتا اگر شاہ جمال میں مجھے وہ بابا جی نہ ملتے اور میں انکی باتیں نہ سن لیتا۔ اور دوسرا سندیپ وغیرہ کی وجہ سے اچانک حالات بدل گئے تھے۔ کیونکہ اب مجھے یقین تھا کہ کچھ بہت الگ سا ہونے والا ہے۔ میرا رخ واپس ماڈل ٹاؤن کی طرف تھا۔

☆......☆......☆

نکودر تھانے کی حوالات میں جسپال کو بند کر دیا گیا تھا۔ وہاں اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ کافی وقت گذر گیا لیکن دوبارہ کوئی اسے پوچھنے کے لیے بھی نہیں پلٹا تھا۔ وہ ایک چٹائی پر بڑے سکون سے لیٹ گیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس کی گرفتاری کی خبر نوتن کور کو ہو گئی ہوگی۔ باقی وہ سب دیکھ لے گی۔ اسے اے سی پی کا چہرہ یاد آ رہا تھا، جہاں غضب کا تنتنا تھا۔ جسپال کو صرف یہی دکھ تھا کہ وہ اسے خود نکودر تھانے میں بلا کر جو چاہے بات کرتا، لیکن یوں گھر پر چھاپہ مار کر اسے اور انوجیت کو ذلیل کرنے کی جو اس نے کوشش کی تھی، وہ اسے بڑی کھل رہی تھی۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کرنا کیا ہے؟ اس کی سزا تو اسے ملنی ہی چاہیے تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اسے لگا جیسے تھانے میں ایک دم سے کرفیو لگا دیا گیا ہو۔ سارے بیرونی دروازے بند کر دیئے گئے۔ جو جہاں تھا اسے وہیں روک دیا گیا۔ ایک ہلچل سی ہوئی اور پھر اسی ہلچل میں اے سی پی کے ساتھ چند لوگ حوالات کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ اے سی پی کے چہرے پر اب تنتنے سے زیادہ غصہ اور نفرت تھی۔ اس نے اشارہ کیا اور ایک بندے نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دو بندے اندر گئے اور اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ جسپال بڑے سکون سے اٹھ گیا۔

''چلو باہر۔'' ایک نے غراتے ہوئے کہا تو جسپال چل پڑا۔ وہ اسے حوالات سے نکال کر اندر کی جانب ایک کمرے میں لے گئے، جہاں ایک مدقوق سا زرد بلب روشن تھا۔ اے سی پی کے علاوہ وہاں پر چھ لوگ تھے۔ جیسے ہی وہ سارے اندر داخل ہوئے باہر کا دروازہ لگا دیا گیا۔ جسپال ان سب میں گھرا کھڑا تھا۔ وہ چند لمحے اسے تولنے والی نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ پھر اے سی پی آگے بڑھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اسٹک کی نوک سے اس کی ٹھوڑی اٹھائی اور غضب ناک انداز میں بولا۔

''گجندر سنگھ ہمارا بہت اچھا دوست تھا۔ اسے چاہے جس نے بھی قتل کیا، لیکن اس کے قتل ذمے دار تم ہو، بولو، کیسے قتل کر دیا اسے اور وہ لوگ کون تھے۔''

''میں نہیں جانتا وہ......'' جسپال نے کہنا چاہا تو اے سی پی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس کے علاوہ کچھ نہیں سننا، جو میں نے پوچھا ہے، ورنہ تم جانتے ہو کہ یہ لوگ یہاں پر کیوں کھڑے ہیں، دس منٹ بھی تم انہیں برداشت نہیں کر پاؤ گے۔ سمجھے تم؟''

''اے سی پی! وہی کہو، جو تم کہہ سکتے ہو، اپنے آپ سے زیادہ باتیں مت کرو۔ میں نے اگر گجندر کو قتل کیا ہوتا تو صاف کہہ دیتا کہ میں نے ہی قتل کیا ہے اسے لیکن میں نے اسے قتل نہیں کیا تو نہیں کیا۔ تم دس منٹ کیا، دس دن بھی لگے رہو۔ تم وہ کچھ نہیں منوا سکتے جو تم چاہتے ہو۔'' جسپال نے بڑے سکون سے کہا۔

''تم ایسے نہیں مانو گے میں......'' اس نے کہنا چاہا تو جسپال نے اس کی بات کاٹ دی اور بولا۔

''اور ایک بات اور سن اے سی پی، مجھ پر اگر تم تشدد کرنا چاہتے ہو تو ایک بار پھر سوچ لینا، گجندر سے تمہاری دوستی تمہیں مہنگی بھی پڑ سکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں کتنی مہنگی پڑتی ہے۔''
اے سی پی نے کہا اور اپنے لوگوں کو اشارہ کیا۔ وہ ایک دم اس پر پل پڑے۔ فطری طور پر جسپال نے مزاحمت کرنا چاہی لیکن وہ ایک تھا اور دوسری طرف چھ لوگ۔ انہوں نے چند منٹوں ہی میں اسے دھنک کر رکھ دیا۔ جسپال کے منہ سے خون بہنے لگا تھا۔ گال کے قریب سے جلد بھی پھٹ گئی تھی۔ ایسے میں ایک گھونسہ اس کے دائیں شانے کے پاس گردن کے قریب لگا۔ جس سے اسے یوں لگا جیسے سانس بند ہو رہا ہو۔ ایسے ہی وقت میں جسپال کا دماغ پھر گیا۔ اسے اپنے سامنے ایک گرانڈیل جوان دکھائی دیا جو اسے مارنے کو آگے بڑھا تھا، جسپال نے ذرا سا جھک کر پوری قوت سے پنچ اس کی ناک پر مارا۔ وہ ایک لمحے کو ٹھٹک گیا، تب تک جسپال اچھلا اور ایک زوردار ٹکر اس کی ناک پر پھر مار دی۔ وہ اپنی ناک پکڑ کر پلٹ گیا۔ اس وقت تک ایک شخص نے اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، جسپال نے اس کا ہاتھ پکڑا، پھر پوری قوت سے اپنی جانب کھینچا، فطری طور پر سامنے والے نے اپنی جانب زور لگایا۔ جسپال نے ذرا سی ڈھیل دی وہ پیچھے ہٹا، جسپال اپنے دونوں پاؤں پر اچھلا اور پاؤں اس کی چھاتی پر رکھ دیئے۔ یہ بڑا خطرناک داؤ تھا سامنے والا ایک دم سے چیخ اٹھا۔ اس کا بازو نکل گیا تھا۔

''رک جاؤ۔'' ایک دم سے اے سی پی نے چیختے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اپنا ریوالور نکال لیا۔ اس کے سارے ماتحت ایک دم سے یوں رک گئے جیسے مشین کا بٹن دبا دیا گیا ہو۔ وہ ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے تو اس پر جسپال مسکرا دیا۔ پھر انتہائی طنزیہ لہجے میں بولا۔

''ابھی سے بس ہو گئی تمہاری۔''

''نیچے بیٹھو، فوراً، ورنہ گولی مار دوں گا۔'' اس نے یوں کہا جیسے وہ سمجھ گیا ہو کہ یہ چھ بندے اس کے لیے ناکافی ہیں۔ جسپال نے اے سی پی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے یوں جھکا جیسے بیٹھنے لگا ہو، لیکن وہ بیٹھا نہیں بلکہ آناً فاناً اس کے اوپر جا پڑا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کے ریوالور پر ہی ڈالا تھا۔ پھر لڑھکتا ہوا دور جا کھڑا ہوا۔ اس نے انتہائی سرعت سے میگزین دیکھا۔ اس میں گولیاں تھیں۔

''اب بولو، کس نے پہلے مرنا ہے؟'' جسپال نے غراتے ہوئے پوچھا تو اے سی پی نے اسے خبردار کرتے ہوئے کہا۔

''تم اس سروس ریوالور کو اپنے ہاتھ......''

''بکواس بند کرو اے سی پی۔ میں نے تمہیں شرافت کی زبان سمجھانا چاہا تھا لیکن تم نہیں سمجھے ہو۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ بدمعاشی کیا ہوتی ہے۔'' جسپال نے کہا ہی تھا کہ اے سی پی کا فون بج اٹھا۔ اس نے جیب سے فون نکالنا چاہا مگر جسپال نے اسے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ رک گیا۔ جسپال آگے بڑھا۔ اس نے جیب سے فون نکالا اور کال رسیو کرتے ہوئے اس کا اسپیکر آن کر دیا۔ پھر اے سی پی کو بولنے کا اشارہ کیا۔

''ہیلو! کیا بات ہے۔''

''سر جلدی سے آفس میں آ جائیں۔'' دوسری طرف اس کا کوئی ماتحت انتہائی گھبرائے انداز میں بولا تھا۔

''ہوا کیا ہے اور تو ایسے کیوں بول رہا ہے؟'' اے سی پی نے جلدی سے پوچھا۔

''سر! باہر سے خبر آئی ہے کہ ایک بڑا جلوس تھانے کی طرف آ رہا ہے لوگ بپھرے ہوئے ہیں، سر اتنا عملہ نہیں ہے کہ ہم انہیں روک سکیں یا پھر جو کرنا ہے، بتائیں ہمیں۔'' ماتحت نے تیزی سے کہا۔

''کون لوگ ہیں؟'' اے سی پی نے پوچھا۔

''وہ ہی امیدوار انوجیت ہے، جس کا بندہ ہم پکڑ کر لائے ہیں، اس کی پارٹی کے لوگ ہیں۔'' ماتحت نے مشینی انداز میں کہا۔

''اوہ۔! دروازے مت کھولنا۔ میں آتا ہوں۔'' اے سی پی نے کہا۔ جسپال نے فون بند کر دیا۔ اے سی پی نے بے چارگی سے اسے دیکھا اور پھر بولا۔

''جو ہونا تھا سو ہو گیا، میں اب......''

''تم نے کچھ بھی نہیں کرنا، جو کرنا ہے، وہ اب میں ہی

کروں گا۔ کھولو دروازہ، چلو باہر۔" جسپال نے حکم دینے والے انداز میں کہا۔ اے سی پی نے اپنے ایک ماتحت کو دروازہ کھولنے کا کہا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو اس نے کہا۔

"اے سی پی۔! میں یہیں ہوں۔ تم اپنے لوگوں کو لے جانا چاہتے ہو تو لے جاؤ۔"

"دیکھو، جب میں نے کہہ دیا ہے کہ جو تم کہو گے وہی کروں گا تو پھر اب تم یہ سب کیوں کر رہے ہو۔" اے سی پی نے صلح جو انداز میں کہا۔

"نہیں اب جو کرنا ہے، وہ میں نے ہی کرنا ہے۔ میں جیسا کہوں، ویسا کرو۔" جسپال نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی ریوالور تان لیا۔ اے سی پی نے سب کو باہر آجانے کا اشارہ کیا۔ وہ سب چلے گئے۔ آخر میں وہ نکلا، جس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا، جسپال نے اسے قریب بلایا اور اس سے کہا۔

"اپنا منہ میرے کپڑوں سے پونچھو، تا کہ تیرا سارا خون میرے کپڑوں کو لگ جائے۔ جلدی کرو۔"

اگلے چند لمحوں میں جسپال کے کپڑوں پر تازہ خون کے بڑے بڑے دھبے لگ گئے۔ جسپال نے ریوالور کی پھرکی سے گولیاں نکالیں اور خالی ریوار تھماتے ہوئے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا تو وہ ریوالور لے کر باہر چلا گیا۔ جسپال نے گولیاں ایک کونے میں پھینک دیں اور وہیں رک کر ان سب کو دیکھنے لگا۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ باہر کہیں شور ہونے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد مین گیٹ بجایا جانے لگا، جو اس سے کافی دور تھا۔ باہر دھما چوکڑی مچ چکی تھی۔ لوگوں کا شور، نعرہ بازی، ڈنڈوں اور پتھروں سے گیٹ کو بجایا جا رہا تھا۔ باہر ہنگامہ بڑھنے لگا تھا۔ جسپال کو پوری طرح احساس تھا کہ اگر اے سی پی ردعمل کے طور پر کوئی کارروائی کرے گا تو معاملہ بڑھ جائے گا اور قومی سطح پر بات جائے گی۔ الیکشن کے ان دنوں میں بات ویسے ہی بڑھ جاتی ہے۔ اگر حکمت عملی سے کام لے گا تو ممکن ہے اس کی بچت ہو جائے۔ وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اے سی پی دوسرے آپشن ہی کو لے۔

کافی دیر تک یہی ہنگامہ چلتا رہا۔ پھر ایک دم سے سکون ہو گیا۔ اس نے دروازے کی جھری میں سے باہر دیکھا، کاریڈرو میں چند آدمی تیزی سے اندر کی جانب آ رہے تھے۔ ان کے پیچھے پریس کے لوگ تھے۔ جیسے ہی وہ قریب آئے، جسپال ادھ موا سا ہو کر فرش پر دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ وہ یوں دکھائی دے رہا تھا، جیسے اس پر بے پناہ تشدد ہوا ہو۔ چند ہی لمحوں میں لوگ اس تک پہنچ گئے۔ ان میں سب سے آگے بلدیو سنگھ تھا۔ باقی لوگ اسے جلدی جلدی اٹھانے لگے۔ پریس اس کی تصویریں بنانے لگا۔ وہ سب اسے اے سی پی کے آفس کے سامنے لے گئے۔ وہاں جا کر اسے پتہ چلا کہ تھانے کا عملہ کسی چور دروازہ سے فرار ہو چکا ہے۔ چند سپاہی وہیں موجود تھے، جو بلاشبہ سہمے ہوئے تھے۔

"وہ آپ پر تشدد کر کے کیا منوانا چاہ رہے تھے؟" کسی صحافی نے جسپال سے سوال کیا تو وہ کراہتے ہوئے بولا۔

"وہ مجھ سے منوا رہے تھے کہ میں نے گجندر سنگھ کا قتل کیا ہے، حالانکہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ تھا۔ میرا گجندر سنگھ کے ساتھ کوئی ذاتی اختلاف تک نہیں تھا، وہ براہ راست میرے گاؤں کی ایک لڑکی کے اغوا کا ذمے دار تھا۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں کہ پولیس ایسا کیوں کر رہی ہے؟" کسی دوسرے صحافی نے سوال کیا تو وہ بولا۔

"ظاہر ہے، ہم یہ الیکشن لڑ رہے ہیں، کچھ قوتیں چاہتی ہیں کہ الیکشن سے پہلے ہی ہمیں ان الجھاوں میں ڈال دیں تا کہ ہم الیکشن نہ جیت سکیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مخالفین ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہم الیکشن لڑیں گے، غریبوں کا اسی طرح ساتھ دیتے رہیں گے اور واہگرو کی مہر کے ساتھ یہ الیکشن جیتیں گے۔"

"آپ کے وہ مخالفین کون ہو سکتے ہیں؟ کیا بتا سکیں گے؟" ایک خاتون صحافی نے معلومات چاہی، جس پر

اس نے اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں، میں ایسا کوئی نام ابھی نہیں لوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ مخالفین اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔ سب کچھ عوام کے سامنے آجائے گا۔''

''آپ کی حالت دیکھ کر لگتا ہے کہ پولیس نے آپ پر بہت زیادہ تشدد کیا ہے؟'' پریس کی طرف سے ایک صحافی نے پوچھا۔

''آپ میری حالت دیکھ رہے ہیں، مجھے میرے گھر سے یوں اٹھایا گیا، جیسے مجھے اغوا کیا جارہا ہو اور یہاں لا کر تشدد کیا گیا۔ آپ سب لوگ نہ آتے تو نجانے یہ میری کیا حالت کرتے۔'' جسپال نے کہا ہی تھا کہ جلوس میں کھڑے لوگوں نے شدت سے نعرہ بازی شروع کر دی۔ بلدیو سنگھ سب سے آگے تھا۔ وہ بالکل وہی کردار ادا کر رہا تھا جو خفیہ والے کرتے ہیں۔ یعنی کسی بھی جلوس کو ہنگامے پر اکسانا، اپنی مرضی سے موڑنا، اور منتشر کرنے میں اپنے خاص ہتھکنڈے آزمانا، وغیرہ۔ جسپال یہ نہیں چاہتا تھا کہ تھانے میں مزید ہنگامہ آرائی ہو۔ اس نے نگاہوں ہی نگاہوں میں بلدیو سنگھ اور کرن کور کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اب بس کریں۔ لیکن وہ سمجھے نہیں یا جان بوجھ کر ایسا کرتے گئے۔ انہوں نے اے ایس پی کے آفس پر دھاوا بول دیا۔ یہ ایسا وقت تھا، جس میں لوگوں کے جذبات کو کنٹرول کرنا بہت ضروری تھا۔ اگر چہ بھڑکے ہوئے ہجوم کو قابو کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن یہی وہ وقت ہوتا ہے، جب کسی کی قائدانہ صلاحیتیں سامنے آتی ہیں۔ وہ یا تو لیڈر کمزور ہوتا ہے یا پھر وہ بذات خود ایسی ہنگامہ آرائی چاہ رہا ہوتا ہے۔ جسپال حیران تھا کہ بلدیو سنگھ اچھا بھلا سمجھ دار ہے، ایسا کیوں کر رہا ہے۔ تبھی اسے انوجیت دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ بہت سارے لوگ تھے۔ اس نے آتے ہی ہنگامہ کرنے والوں کو رک جانے کا کہا۔ وہ بھی ایک دم سے رک گئے۔ جسپال سمجھ گیا کہ پلان کیا بنا تھا۔ انوجیت ان لوگوں سے مخاطب ہو کر نہایت جذباتی تقریر کرنے لگا جبکہ ایسے وقت میں بلدیو سنگھ اسے اپنی جانب بڑھاتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے جسپال کے پاس آ کر یوں سہارا دیا جیسے وہ بہت زیادہ زخمی ہے۔ اس نے زور زور سے ہٹو بچو کا نعرہ لگایا۔

''پرے ہو جاؤ، جلدی ہٹو، جسپال جی کو اسپتال لے کر جانا ہے، جلدی سے ہٹ جاؤ۔''

لوگ پرے پرے ہونے لگے۔ کچھ اسے کار تک لے جانے میں مدد دینے لگے۔ یوں چند منٹوں میں وہ ایک کار کی پچھلی نشست پر تھا۔ وہ اسے لے کر جلدی سے چل دیئے۔ جسپال نے ایک نگاہ دیکھا، انوجیت اپنی بھڑاس نکال رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ نکودر اسپتال میں تھے۔ جلد ہی وہاں کے عملے کو پتہ چل گیا کہ مریض کون ہے۔ ڈاکٹرز سے لے کر وارڈ بوائے تک اس کے آگے پیچھے ہو گئے۔ وہ اسے فوراً ایمر جنسی میں لے گئے۔ ایک ادھیڑ عمر ڈاکٹر اسے دیکھنے لگا۔ چیک اپ کے بعد اس نے کہا۔

''انہیں زیادہ چوٹیں نہیں......''

''انہیں بہت زیادہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔'' بلدیو سنگھ نے اس ڈاکٹر کی بات قطع کرتے ہوئے پسٹل بھی نکال لیا۔ ڈاکٹر نے ایک نگاہ اسے، پھر پسٹل اور اس کے بعد جسپال کو دیکھ کر طویل سانس لی اور بولا۔

''ٹھیک، یہ بہت زیادہ زخمی ہے۔ انہیں ابھی انڈر آبزرویشن رہنے دیں۔ میں پوری طرح چیک اپ کے بعد کوئی رائے دوں گا۔''

''جی، یہ ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب، ہم آپ کے بہت زیادہ شکر گذار ہیں۔'' بلدیو نے کہا اور باہر کی جانب چل دیا۔ جسپال کو سمجھ آرہی تھی کہ وہ کیا ڈرامہ کرنے جارہا تھا۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ اسپتال کے باہر شور مچ گیا۔ بیورو کریسی کے کئی لوگ وہاں آگئے تھے۔ پولیس کمشنر انہیں اپنے ساتھ لایا تھا۔ انہوں نے آتے ہی ڈاکٹر سے مریض کے بارے میں پوچھا۔ ڈاکٹر نے گول مول سا جواب دے دیا۔ جیسے ہی وہ سب لوگ جسپال کی طرف آئے، بلدیو سنگھ راستے میں کھڑا ہو گیا۔

''کیا چاہتے ہیں آپ، اب کیا دیکھنے آئے ہیں آپ کہ یہ مرا نہیں، ابھی زندہ ہے۔ آپ لوگ ہماری پارٹی کے لوگوں کو ایسے ختم نہیں کر سکتے۔ یہ پولیس گردی کب تک ہمارے سروں پر مسلط رہے گی؟''

''دیکھیں۔! آپ شانت رہیں، ہم اس سارے معاملے کو دیکھ رہے ہیں، جو بھی اس میں قصوروار ہوا، اسے ضرور سزا ملے گی۔'' ایک آفیسر نے بڑے ٹھنڈے انداز میں کسی بھی بات کا برا نہ مناتے ہوئے کہا۔

''مخالفین کیا سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ جیت جائیں گے، کیا انہوں نے پولیس کو خرید لیا ہے؟ ہم عوام کو تو یہی تاثر مل رہا ہے۔ کسی کو جس وقت چاہیں اس کے گھر سے اٹھا لیا جائے۔ یہ کیا ہے؟'' بلدیو سنگھ کسی جذباتی سیاسی ورکر کی طرح انتہائی غصے میں بول رہا تھا۔

''دیکھیں، ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم معاملے کی جانچ کر رہے ہیں اور.....'' اسی آفیسر نے کہنا چاہا تو وہ اس نے بات مکمل نہ ہونے دی اور کہا۔

''اب بھی جانچ کی ضرورت ہے، یہ سامنے پڑا ہے بندہ، کسی بھی وقت موت کے منہ میں جا سکتا ہے، اب تو ہمیں یہ ڈر ہے کہ یہ اسپتال والے آپ لوگوں کے ساتھ نہ مل جائیں، ہم اپنے مریض کو یہاں رکھنا ہی نہیں چاہتے، ہم اسے ابھی لے جائیں گے۔'' بلدیو نے کہا اور آفیسر کی بات سنے بغیر جسپال کو اٹھانے لگا۔ اس کے ساتھ کئی لوگ آگے بڑھے اور جسپال کو پھر سے اٹھا کر کار میں ڈال دیا گیا۔ بلدیو سنگھ کی جگہ اب کچھ دوسرے لوگ تھے جو ان آفیسروں کے ساتھ جھگڑ رہے تھے۔

''یار اب بس کرو، اب کیا کرنا ہے ہنگامہ کر کے۔'' جسپال نے آہستگی سے بلدیو کو کہا۔

''ہمارا کام اب ختم ہے، ہم جا رہے ہیں گھر، ابھی انوجیت آکر ان پر احسان کرے گا، اور اس اے سی پی کے بارے میں جانکاری چاہے گا، تو اب چل آرام کر، وہ دیکھ آ گیا، انوجیت۔'' اس نے کہا اور ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دور آ جانے کے بعد جسپال نے پوچھا۔

''یہ سب کیا تھا، اتنی جلدی؟''

''ابھی تو گیم شروع ہوا ہے پیارے، اسے سیاست کہتے ہیں۔ ڈرامہ، ڈرامہ کرنا ہوگا، ڈگڈگی نہیں بجے گی تو لوگ اکھٹے نہیں ہوں گے۔ پورے حلقے میں اب تیرے حوالے سے انوجیت کی بات ہوگی۔ تو اب سکون سے دو دن آرام کر۔''

''اور تم؟'' جسپال نے پوچھا۔

''مجھے ابھی بہت کام ہیں نکودر میں۔'' یہ کہہ کر اس نے ڈرائیور سے رکنے کو کہا اور رکتے رکتے بولا۔

''اور ہاں، گھر پہنچتے ہی تجھے ایک نئی خبر ملے گی۔'' یہ کہہ کر اس نے کچھ سنے بغیر دروازہ کھولا اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ جسپال نے سکون سے ٹیک لگا لی۔ کار اوگی پنڈ کی طرف دوڑے چلی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

میں ماڈل ٹاؤن پہنچا تو اندھیرا کافی گہرا ہو گیا تھا۔ میں نے گیٹ پر گاڑی روکی تو فوراً ہی ایک بندہ سامنے آ گیا، مجھے پہچان کر گیٹ کھول دیا۔ جب تک میں نے پورچ میں کار لگائی، اس وقت تک دو بندے میرے سامنے آ گئے۔ تبھی میں نے ان سے پوچھا۔

''خیر تو ہے نا؟''

''جی بالکل خیر ہے۔'' ایک نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں اندر کی جانب بڑھ گیا۔

ڈرائینگ روم میں کوئی نہیں تھا۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلا گیا۔ سامنے ہی بانیتا کور کا کمرہ تھا۔ میں اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تو اندر سے قہقہوں کی آوازیں آئیں۔ میں نے دروازہ ہلکا سا بجایا اور اس کے ساتھ ہی اندر چلا گیا۔ بانیتا اور سندیپ ایک ہی بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کا موڈ انتہائی خوشگوار لگ رہا تھا۔ جس کا اظہار کرتے ہوئے میں نے کہا۔

''یوں تم دونوں کو دیکھ کر مجھے اچھا لگا۔''

''میں نے سوچا لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے سکون سے رہنا ہی بہتر ہے۔'' بانیتا کور نے ایک خاص ادا

سے مسکراتے ہوئے کہا تو میں سمجھ گیا کہ وہ اتنی شانتی کس لیے دکھا رہی۔ میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ میرے آنے کے ساتھ ہی سندیپ کور جو چہچہا رہی تھی، ایک دم سے مخموری ہو گئی تھی، جیسے اس پر نشہ چھا گیا ہو۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ایسا اسی مہک ہی کی وجہ سے ہے جو میرے بدن سے پھوٹ رہی تھی۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ خیر کھانے کا کیا پروگرام ہے، کچھ بنوایا تم نے؟" میں نے بانیتا کی طرف دیکھ کر پوچھا تو وہ بولی۔

"نہیں، کچھ بھی نہیں۔ ابھی بنوا لیتے ہیں یا باہر سے منگوا لیتے ہیں۔" اس نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چلو کہیں باہر سے......" میں نے کہنا چاہا تو وہ تیزی سے بولی۔

"نہیں مجھے یہاں کے ریستوران راس نہیں ہیں، کوئی نہ کوئی پھڈا ہو جاتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ ہنس دی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہی ہے۔ دراصل وہ سندیپ پر اعتماد نہیں کر رہی تھی۔ اسے اگر باہر لے جاتے اور وہ کہیں ہنگامہ کر دیتی یا پھر ہماری دسترس سے نکل جاتی تو خواہ مخواہ تماشہ بننے والی بات تھی۔

"چلو پھر باہر ہی سے منگوا لیتے ہیں۔" میں یہ کہہ کر اٹھنے لگا تھا کہ طارق نذیر کا فون آ گیا۔

"سر، میں آپ سے فوراً ملنا چاہتا ہوں۔"

"خیریت ہے؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"مجھے آپ سے دو باتیں ڈسکس کرنا ہیں۔" اس نے کہا تو میں نے پوچھا۔

"بتاؤ، کہاں آنا ہے؟"

"آپ باہر نکلیں، میں روڈ پر ہوں۔" اس نے کہا تو میں نے آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔

"خیریت ہے؟" بانیتا کور نے پوچھا۔

"خیر ہی ہے۔" میں نے کہا اور باہر کی سمت چلا گیا۔ میں نیچے آ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی دو بندے سامنے آ گئے۔ میں باہر آ گیا۔ انہیں کھانا لانے کا کہا اور باہر سڑک پر آ گیا۔ پھر ہی فاصلے پر ایک کار کھڑی تھی۔ میں محتاط انداز میں اس جانب بڑھ گیا۔ میں کار کے قریب گیا تو نذیر طارق سامنے آ گیا۔ میں اس کے ساتھ کار میں جا بیٹھا تو میرے بیٹھتے ہی وہ چل پڑا۔

"سر جی! آپ کا خیال ٹھیک تھا کہ میں منیجر کے بیٹے کو دوبارہ سے دیکھوں، وہ تو بڑی شے نکلا ہے۔"

"کیا شے نکلا ہے وہ؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"اس کا نام صفدر ہے، وہ یہاں پر موجود بھارتی نیٹ ورک کا ایک بہت ہی اہم رکن ہے۔ جتنی بھی کہانی منیجر نے سنائی وہ سب جھوٹ تھا۔" نذیر طارق نے کہا۔

"مجھے بھی یہی لگا تھا" میں نے اطمینان سے کہا۔

"اصل میں جس وقت آپ لوگ فیکٹری میں آئے تھے، اس وقت یہ منیجر کا بیٹا وہیں اتفاق سے اپنے باپ کے پاس تھا۔ اسے اس وقت تھوڑا شک تو ہوا لیکن وہ اپنے باپ کے ساتھ چلا گیا۔ باپ کو گھر چھوڑ کر وہ واپس فیکٹری آیا۔ اس وقت تک آپ جا چکے تھے۔ انہیں الطاف گجر سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ لیکن وہ ان لوگوں تک پہنچنا چاہتے تھے، جنہوں نے اسے اغوا کیا اور ان کا سارا سیٹ اپ توڑ دیا۔ اسی لڑکے نے آپ کے دونوں لڑکوں کا پیچھا کیا اور گھر تک پہنچا۔ شاید آپ کو یاد ہو، جب آپ کے گھر پر حملہ ہوا تھا، اس سے ذرا دیر پہلے دو لوگ بائیک پر آئے، یہ ان میں سے ایک تھا۔ باقی جو بھی بیان دیا گیا، جو کچھ کہا گیا۔ وہ سارا ڈرامہ تھا۔" وہ تفصیل بتا کر خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔

"اب کہاں ہے وہ؟"

"میں نے اسے پکڑ لیا ہے اور میرے پاس بند ہے۔" اس نے بتایا تو میں نے پوچھا۔

"اور دوسری بات تم نے کیا بتانا تھی؟"

"یہ جو سندیپ کے ساتھ لڑکا پکڑا گیا ہے یہ بھی اسی گروہ کا ہے۔ سندیپ کے سوا باقی سب مقامی ہیں۔" اس نے کافی حد تک جوش سے کہا جیسے وہ کوئی بڑی اہم بات بتانے جا رہا ہو۔

''مجھے پہلے ہی شک تھا۔'' میں نے کہا تو اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''شک ..... کیسے اور کیوں؟''

''تم نے کبھی سمندر دیکھا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، کئی بار۔'' اس نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایک لہر ساحل کی طرف آتی ہے، وہ ساحل سے ٹکرا کر ختم ہو جاتی ہے، پھر دوسری آتی ہے، اس دوران صرف وقفہ ہوتا ہے۔ جب ایک لہر آتی ہے تو وہ ایک ہی ہوتی ہے۔ اس وقت یہ جو دشمن کی لہر ہے نا، یہ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ ایک لہر کی مانند ہیں، کچھ عرصہ بعد ان کا یہ پلان ختم ہو جائے گا، تب ایک نیا پلان ہوگا۔ اس وقت لاہور اور اس کے گردونواح میں یہ سب چل رہا ہے۔'' میں نے اسے تفصیل سے بتایا

''تو پھر اسے قابو کیسے کیا جائے گا؟'' اس نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

''اس وقت تک نہیں، جب تک اس کا سرغنہ نہیں پکڑا جاتا، یا وہ مقامی بندہ جو انہیں ہینڈل کر رہا ہے۔ صرف اسے ہمارے ہاتھ لگنا ہے، تب یہ لہر بھی ختم ہو جائے گی اور سبھی ایک دم سے کھل جائیں گے۔'' میں نے حتمی انداز میں کہا تو وہ اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

''میں سمجھا تھا کہ .....'' اس نے کہنا چاہا، مگر اتنی ہی بات کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''تم نے ٹھیک سمجھا ہے۔ اس لیے تمہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے فوری طور پر پہلا کام یہ کرو کہ جتنے بندے پکڑے ہیں، انہیں کہیں ٹھکانے لگا دو، ختم کر دو یا پھر اپنے ڈیپارٹمنٹ کے حوالے کر دو۔ ان سب سے جان چھڑاؤ۔ اس کے بعد اپنے لوگوں کی ایک فورس بنالو۔''

''فورس تو ہے سر میرے پاس، صرف چار لوگ ہیں، جان وارنے کی حد تک مخلص اور جانباز ہیں۔'' اس نے مان سے کہا۔

''بہت خوب۔'' میں نے اسے داد دیتے ہوئے کہا، پھر لمحہ بھر رک کر کہا۔

''جسے ایک بھی اچھا دوست مل جائے وہ کبھی نہیں ہارتا۔''

''وہ میرے، بہت اچھے دوست بھی ہیں سر۔'' اس نے پھر اسی مان سے کہا تو مجھے اچھا لگا۔

''ہمارے پاس سندیپ کی صورت میں ایک بہت بڑا راز موجود ہے۔ اس کے بارے میں ڈیپارٹمنٹ کو صرف اتنا بتاؤ کہ اس سے تفتیش جاری ہے اور بس۔ تم نہیں جانتے وہ کیا چیز ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں کل صبح یہی کام کروں گا۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ہم یہی باتیں کرتے ہوئے ماڈل ٹاؤن پارک کے پاس بنے مختلف ریستوران کے پاس چلے گئے۔

''کھانا کھا لیں سر، میرے خیال میں ابھی آپ نے بھی کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ دوسرا میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ وہ سندیپ میں ایسی کیا بات ہے، آپ اس کے بارے میں کیا سمجھے ہیں۔'' نذیر نے گھوم پھر کر اپنی ہی دلچسپی کی بات کی تو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''چلو، بیٹھو۔'' میں نے ایک ریستوران کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو اس نے کار پارکنگ میں لگا دی۔ ہم کار سے اتر کر اوپن ایئر ہی میں ایک کونے کی جانب بڑھ گئے۔ ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا تو اس نے میری طرف دیکھ کر دھیمے سے پوچھا۔

''سر وہ سندیپ؟''

''وہ بھارت کی تربیت یافتہ لڑکی ہے۔ اور اس جیسی کافی ساری لڑکیاں یہاں موجود ہیں۔ ممکن ہیں دوسرے شہر میں بھی ہوں یا اسی شہر میں۔ یہ ایک بہت بڑا پراجیکٹ ہے میری جان۔ انہیں تلاش کرنا ہوگا۔ کیونکہ سندیپ کو بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں۔ اب اس کا نیٹ ورک کیا ہے، کیسے ہے، اصل میں ان کا ٹارگٹ کیا ہے، یہ مجھے ابھی پتہ نہیں چلا، لیکن مجھے امید ہے کہ میں وہ

کچھ حاصل کرلوں گا، کیونکہ میرے پاس بانیتا کور کی صورت میں ایک بہت بڑا مددگار موجود ہے۔ وہ اس تلاش میں میری مدد کرے گی۔''

''کیا وہ معلوم کر پائے گی۔ اسے سچ اور جھوٹ.....'' اس نے شک کا اظہار کیا تو میں نے کہا۔

''جھوٹ سچ تو رہا ایک طرف، وہ پتہ چل جائے گا، سندیپ پر تشدد کسی بھی صورت میں کارگر نہیں ہے۔''

''کیوں؟'' وہ چونکتے ہوئے بولا۔

''اس لیے کہ اس کی تربیت ذرا مختلف انداز میں کی گئی ہے۔ اور.....'' میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ میرا سیل فون بج اٹھا۔ دوسری طرف اروند سنگھ تھا۔

''آپ کدھر ہو اس وقت؟''

''ایسے ہی باہر نکلا ہوں۔ ایک دوست کے ساتھ، خیر ہے؟'' میں نے جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

''وہ شخص، جسے ہم کئی دنوں سے تلاش کر رہے ہیں، وہ اس وقت آپ کے کہیں قریب ہے۔'' اس نے کہا تو میں نے سامنے بیٹھے ہوئے نذیر طارق کو دیکھا اور فوراً ہی بڑے محتاط انداز میں پوچھا۔

''کتنے قریب؟''

''میں حتمی نہیں کہہ سکتا لیکن وہ بیس سے پچیس گز کی رینج میں ہے۔'' اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''یہ تمہیں، کیسے.....'' میں نے پوچھنا چاہا تو وہ تیزی سے بولا۔

''کئی دنوں سے ہم تین بندوں کی محنت ہے، یہ ایک بہت بڑا چیلنج تھا ہمارے لیے، آپ فون کریں اسے۔ جیسے ہی رابطہ ہوا وہ مزید کلیئر ہو جائے گا۔ فوراً رابطہ کریں۔'' وہ تیزی سے بولا اور فون بند کر دیا۔ میں نے فون کان سے ہٹایا تو نذیر طارق نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

''سر جی خیر تو ہے؟''

ایک لمحے کے لیے مجھے خود سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اسے کیا جواب دوں۔ مجھے یوں لگا تھا کہ جیسے یہ نذیر طارق ہی وہ شخص ہے۔ مگر جب فاصلہ میرے ذہن میں آیا تو سب صاف ہو گیا۔ میں نے ایک لمحے ہی میں خود پر قابو پایا اور اس سے پوچھا۔

''وہ جو تمہارے آدمی ہیں کہاں ہیں اس وقت؟''

''وہ پانچ منٹ کی دوری پر ہیں۔ میرے اردگرد ہی ہیں اس وقت۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔

''انہیں بالکل قریب بلالو۔ ممکن ہے ان کی ضرورت پڑے۔'' میں نے انتہائی سکون سے کہا تو اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور فون نکالنے لگا۔ اسی لمحے میں نے باس کے نمبر پر کال کر دی۔ ایک طرح سے رابطہ ہو گیا تھا۔ وہ فون نہیں رسیو کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ کال جاتے ہوئے ختم ہو گئی۔ میں نے پھر سے ٹرائی کیا۔ تب اس نے دوسری بیل پر فون رسیو کر لیا۔ میں اٹھا اور ایک خالی گوشے کی جانب بڑھ گیا۔

''ہیلو۔!'' میں نے انتہائی طنزیہ لہجے میں جان بوجھ کر کہا تاکہ وہ بات کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

''کیسے یاد کر لیا تم نے؟'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ارے یار۔! میں نے سوچا تم نے مجھ تک کیا پہنچنا تھا، بات کرنے سے بھی گئے۔ کہاں ہو، میں تمہارے پاس آجاتا ہوں۔'' میرے یوں کہنے پر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔

''یہ تو میں جانتا ہوں کہ تم بہت شارپ اور چالاک ہو، تم جس طرح مجھ سے اوجھل ہو گئے، اس کی میں داد دیتا ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تم تک پہنچ نہیں پاؤں گا اب میں تم پر ہاتھ ڈال کر ہی میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں نے تمہیں پکڑ لیا ہے۔''

''کاش تمہارا یہ خواب پورا ہو جائے۔'' میں نے اپنا طنزیہ لہجہ نہیں چھوڑا۔

''میرا یہ خواب بہت جلد حقیقت میں بدلنے والا ہے جمال، تم جتنا چاہے چھپ جاؤ، میں نے تمہیں پکڑ لینا ہے۔'' اس نے پھر کہا۔

''ارے یہ تو مایوسی والی باتیں ہیں، خالی خولی دھمکیاں

ہیں۔ جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں تم سے خود ملنا چاہتا ہوں تو پھر عار کیوں، آؤ ملو لیکن اب ہوگا پتہ کیا؟ تم میری بات کا جواب دینے کی بجائے یہ کہو گے کہ آواز نہیں آرہی یا فون بند کردو گے۔" میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا اور خود فون بند کردیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اروند سنگھ کا نمبر ملایا۔ اس نے فوراً ہی میری کال پک کی اور کہا۔

"میں نے آپ کو میسج بھیج دیا ہے، اس کی ڈائریکشن کیا ہے۔ وہ آپ کے پاس ہی کہیں ہے۔"

"اوکے۔" میں نے کہا اور فوراً میسج بکس کھولا۔ اروند کا پیغام موجود تھا۔ میں نے اسے کاپی کیا اور نقشہ کھول کر اس میں ڈال دیا۔

تقریباً آدھے منٹ بعد وہ جگہ میرے سامنے آگئی۔ ایک خاص نقطے پر سرخ اسپارک ہونے لگا۔ میں نے اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ اسی مارکیٹ ہی کے کہیں آس پاس تھا۔ میں اس سمت بڑھنے لگا۔ اگر میں ذرا ادھر ادھر ہوتا تو وہ اسپارک مدھم ہوجاتا اور سیدھ میں آجاتا تو وہ تیز ہوجاتا۔ میں ریستوران سے نکل کر باہر روڈ پر آگیا۔ اسی لمحے میرے پیچھے نذیر طارق آگیا۔ میں ایک لمحے میں اسے بات سمجھائی تو وہ میرے ساتھ ہی اس سمت کو تکنے لگا۔ میں بہت زیادہ دیر تک فون پر نگاہیں جما کر نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس لیے میں نے اسے فوراً گاڑی لانے کا کہا۔ وہ گاڑی کی جانب بھاگا۔ تین منٹ سے بھی کم وقت میں وہ کار لے کر میرے برابر آگیا۔ میں پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ہم اس ریستوران سے بیس گز آگے نکلے ہوں گے کہ اسپارک تیز ہوگیا۔

اب میں اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ کون ہوگا۔ میرے اندر دوران خون بڑھ گیا تھا۔ سنسنی میرے اندر پھیل کر مجھے بے چین کیے ہوئے تھی۔ وہ بندہ میرے انتہائی قریب تھا اور میں اسے پہچان نہیں پا رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ میرا ہیجان بڑھتا ہی چلا جارہا تھا۔ میں نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی، بہت سارے لوگ مصروف تھے۔ وہ ایک اوپن ائیر ریستوران ہی تھا۔ چھوٹے سے ہال کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں جالیاں تھیں۔ نذیر طارق اپنے لوگوں کو تیزی سے ہدایت دے رہا تھا کہ وہ کہاں پہنچیں اور انہیں کیا کرنا ہے

۔ جبکہ میری حالت بڑی عجیب ہورہی تھی۔ میں باس کے اتنے قریب ہوکر بھی اسے نہیں پکڑ پا رہا تھا۔ میں نے وہاں موجود ہر ایک چہرے کو دیکھنا شروع کیا، مگر مجھے کوئی بھی ایسا شخص دکھائی نہیں دے رہا تھا، جس پر شک بھی کیا جاسکے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ میں اسے دوبارہ فون کروں۔ کم از کم ان میں یہ تو تخصیص ہوجائے گی کہ جو بندہ اپنے کان کے ساتھ سیل فون لگائے ہوئے ہوگا، اسے نگاہوں کے سامنے رکھ لوں گا۔ میں نے نذیر کا فون بند کروایا اور ہدایت دی کہ اسے کیا کرنا۔ اس نے اپنے لوگوں سے کہا اور خاموش ہوگیا۔

میں نے باس کو دوبارہ کال ملائی۔ چند لمحے بعد ہی اس نے فون ریسیو کرلیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا میں نے تیزی سے کہا۔

"پھر فون بند کردیا نا تم نے، یار اتنے ڈرپوک ہو تم؟ کیا میں فون میں سے ہاتھ باہر نکال کر تمہیں پکڑ لوں گا۔"

"فون تم نے بند کیا تھا۔" اس نے غصے میں کہا۔

"اب تم جھوٹ بھی بولو گے۔ کھیل میں جھوٹ بولنا غلط بات ہے نا۔" میں جان بوجھ کر بات بڑھائی اور تیزی سے ہر طرف دیکھنے لگا۔ کوئی آدمی بھی مجھے ایسا دکھائی نہیں دیا، جس نے اپنے کان سے فون لگایا ہوا ہو۔ مجھے ایک دم سے حیرت ہوئی۔ میں نے نذیر طارق کو اشارہ کیا کہ وہ کار سے باہر نکلے اور اردگرد دیکھے۔ وہ باہر نکل گیا۔ کیونکہ مجھے باہر کا شور سنائی دے رہا تھا۔ لیکن کار کے اندر بالکل خاموشی تھی۔

"کھیل تو میں تیرے ساتھ کھیلوں گا، تجھے چھوڑوں گا نہیں۔" اس نے اس بار غصے میں ہی کہا۔

"اب میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ آؤ، میرے ساتھ آنکھ مچولی نہیں سیدھے سیدھے ہاتھ میں ہاتھ ڈالو، پھر تم کیوں بھاگ رہے ہو؟" میں نے کہا اس سے پہلے کہ وہ

جواب دیتا میرے فون پر کال آنا شروع ہوگئی۔ وہ اروند کی کال تھی۔ میں نے بجائے انتظار کروانے کے کال ہی کاٹ دی اور اروند کی بات سننے لگا۔

''وہ آپ سے صرف ایک اور ڈیڑھ گز کے فاصلے پر ہے۔ آپ اسے پکڑتے کیوں نہیں؟'' اس نے جوش بھرے انداز میں چیختے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' اس بار حیران ہونے کی باری میری تھی۔

''اتنے فاصلے کے درمیان آپ کے دائیں جانب۔'' اس نے اسی لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے فون کا نقشہ نکالا۔ وہ انتہائی تیزی سے سپارک کر رہا تھا۔ میں نے فون ڈیش بورڈ پر رکھ دیا اور پورے غور سے اپنے ارد گرد دیکھا۔ مجھ سے تقریباً پانچ گز کے دوران نذیر طارق کھڑا تھا۔ اس کے علاوہ کار کے آس پاس گنتی کے چھ آدمی تھے۔ ایک غبارے والا، دو سیکورٹی گارڈ جو ریستوران کے مین گیٹ پر تھے۔ ایک ملنگ قسم کا شخص سا دیوار اور سڑک کے درمیان درخت کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ریڑھی لگائے ناریل پانی بیچ رہا تھا اور اس سے ذرا فاصلے پر بچوں کے الیکٹرونکس کھلونے اٹھائے بیچ رہا تھا۔ اس کے کھلونے رنگ برنگی روشنیاں نکال رہے تھے۔ کچھ دیر بعد کسی کھلونے سے آوازیں بھی آنے لگتیں۔ اروند کے بتانے کے مطابق انہی میں سے کوئی بندہ ہو سکتا تھا۔ میں نے کال کرنے کے لیے فون اٹھایا ہی تھا کہ پھر رکھ دیا۔ میں سوچنے لگا کہ باہر کا شور میں نے کال میں سنا تھا؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ تبھی میں نے باہر کا منظر اپنی آنکھوں میں جذب کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے باہر کے منظر کا تصور کیا تو چونک گیا۔

میں نے ایسا ہی منظر پہلے بھی دیکھا تھا۔ میں بادلوں میں سے ایک دم ایک شہر کی سڑک پر اترا تھا۔ وہاں ہر شخص کا رنگ جدا تھا۔ وہ رنگ لہروں کی صورت میں اوپر کہیں جا کر تحلیل ہو جاتا تھا۔ میرے سامنے وہی چھ لوگ تھے۔ ان میں سے صرف ایک شخص میں سے لہریں اوپر کی جانب اٹھ رہی تھیں اور وہ تھا کھلونے بیچنے والا۔ میں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے اسے دیکھا۔ وہ بے نیاز سا آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خاصا جوان اور گندمی رنگ والا تھا۔ اس کے نین نقش واضح دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ لمبے قد کا وہ کافی سخت جان نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اپنا فون اٹھایا اور نذیر طارق کو کال کی۔

''جی سر۔'' وہ فوراً بولا۔

''ادھر ادھر مت دیکھنا۔ تمہارے دائیں جانب ایک کھلونے بیچنے والا ہے، بہت زیادہ احتیاط کے ساتھ اسے پکڑنا ہے۔'' میں نے تیزی سے سمجھایا

''او کے۔'' اس نے کہا تو میں نے فون وہیں ڈیش بورڈ پر رہنے دیا۔ اپنا پسٹل ٹٹول کر نکالا، اس کا سیفٹی کیچ ہٹایا اور کار سے نیچے اتر آیا۔

میں ایک دم اس کی طرف نہیں بڑھا تھا، میں کار سے نیچے اترا اور ایک لمحے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ پھر ارد گرد دیکھنے لگا جیسے مجھے کسی کا انتظار ہو۔ میں نے کن اکھیوں سے کھلونے بیچنے والے پر نگاہ رکھی۔ وہ وہیں کھڑا رہا تھا۔ نذیر طارق ایک جانب سے بڑھ رہا تھا اور دوسری جانب سے میں، ہم قدم قدم بڑی احتیاط سے اس کی جانب بڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ دو قدم کا فاصلہ رہ گیا۔ میں اس کے دائیں جانب تھا اور نذیر طارق سامنے کی طرف سے بڑھ رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے چلا گیا۔ پھر اگلے ہی لمحے میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی گردن پکڑ لی۔ مجھے ایک دم سے جھٹکا لگا۔ جیسے میں نے بجلی کے ننگے تاروں کو چھو لیا ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ ایک لمحے کے لیے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو کر رہ گئی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کھلونے پھینکے نہیں بلکہ اسی طرح سامنے سڑک کی جانب بھاگا۔ اس کے سامنے نذیر طارق آ گیا۔ اس نے اسے پکڑنے کی کوشش کی تو اسے بھی جھٹکا لگا تھا۔ کیونکہ وہ بھی ایک دم سے حیرت زدہ ہو کر ساکت ہو گیا تھا۔ اس سے یہ ضرور ہوا کہ کھلونے بیچنے والا لڑکھڑا گیا تھا۔ میرے

پاس یہی وقت تھا کہ وہ لڑکھڑا کر سیدھا ہوتا۔ یہی دورانیہ میرے پاس تھا، ورنہ جس طرح وہ تیزی سے نکلا تھا، مجھے وہ چھلاوے کی طرح لگا تھا، جیسے ہی وہ سیدھا ہوتا، اس کے بعد میں شاید ہی اسے پکڑ سکتا تھا۔ میں نے اپنا پسٹل نکالا اور یکے بعد دیگرے دو فائر کر دیئے۔ دونوں ہی اس کی پنڈلیوں میں لگے تھے۔ اس کی لڑکھڑاہٹ ختم ہو گئی، وہ جھوما اور سڑک پر جا گرا۔ میں انتہائی سرعت سے اس کے پاس جا پہنچا، مجھے یہ ڈر تھا کہ کہیں کوئی گاڑی اسے نہ کچل دے۔ میں نے اسے پھر ہاتھ لگایا، اس بار مجھے کرنٹ نہیں لگا تھا۔ میں نے اسے بالوں سے پکڑا اور اس کا سر سڑک پر دے مارا۔ شاید چوٹ زیادہ لگی تھی، وہ اَدھ مُوا ہو گیا۔ میں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا۔

نذیر طارق نائیلون کی رسی لے آیا۔ وہ اسے باندھنے لگا۔ فائرنگ کی آواز سے بہت سارے لوگ متوجہ ہو گئے تھے۔ انہی کے ساتھ نذیر طارق کے ماتحت بھی وہیں پہنچ گئے تھے۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے اسے لے جانے کا اشارہ کیا۔ اس کے دو ماتحت آگے بڑھے۔ ان دونوں نے اسے سر اور پیروں کی طرف سے پکڑا اور کار تک لے گئے۔ وہ دونوں بھی ساتھ میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے اسے سیٹوں کے درمیان دبا لیا تھا۔ نذیر طارق ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو میں ساتھ میں بیٹھنے لگا تب میری نگاہ ان کھلونوں پر پڑی جو اب بھی سڑک میں پڑے تھے۔ میں نے ایک ماتحت کو وہ کھلونے ساتھ میں لانے کا اشارہ کیا اور کار میں بیٹھ گیا۔ ہمارا رخ ماڈل ٹاؤن والے گھر کی جانب تھا۔

انتہائی تیز رفتاری سے ہم ماڈل ٹاؤن جا رہے تھے۔ ہمیں گھر پہنچنے تک زیادہ سے زیادہ پانچ سے سات منٹ لگنا تھے۔ اس دوران نذیر طارق نے اپنے آفیسرز کو اپنی کاروائی کے بارے میں مطلع کر دیا اور جو ضروری امداد سمجھ میں آئی وہ مانگ لی۔ ان میں ایک الیکٹرونکس انجینئر بھی تھا۔ انہیں وہاں تک پہنچنے میں کچھ وقت لگنا تھا، جبکہ اس کی پنڈلیوں سے کافی زیادہ خون بہہ رہا تھا۔ میں نے سب سے پہلے ارونڈ کو کال کی۔

''میں اسے پکڑ کر لے جا رہا ہوں۔'' میں نے اسے اطلاع دے کر انتہائی اختصار سے باقی بھی بتا دیا۔

''جی بالکل، میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپ کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ سب سے پہلے اس کا فون اپنے قابو میں کریں اور اس کی بیٹری نکال کر اسے آف کر دیں۔ وہ فون کسی صورت میں بھی کسی کو نہیں دینا۔ ہم اسے سمجھنا چاہیں گے۔ فہیم اور سلمان صبح ہونے سے پہلے آپ کے پاس پہنچ جائیں گے اور دوسرا اس کی تصویر ہمیں پہلی فرصت میں بھیج دیں، ممکن ہے اس کے بارے میں کچھ مزید معلومات مل جائیں۔'' اس نے مجھے تفصیل سے کہا۔

''او کے باقی باتیں بعد میں ہم گھر پہنچ چکے ہیں۔'' میں نے اسے بتایا۔

گاڑی پورچ میں نہیں رکی بلکہ اسے پیچھے کی طرف لے گئے جہاں سے سیدھا راستہ تہہ خانے میں جاتا تھا۔ وہی دونوں ماتحت اسے نیچے لے گئے۔ جیسے ہی اسے لٹایا گیا۔ میں نے سب سے پہلے اس کا سیل فون ٹٹولا۔ اس نے صدری نما جیکٹ پہن رکھی تھی، جس کی اندورونی جیب میں وہ فون تھا۔ اس کے ساتھ مہین سی تاریں تھیں، جو اس کے کانوں کے ساتھ منسلک تھیں۔ بالکل مکھی کے سائز کی مانند دو ننھے اسپیکر تھے۔ میں نے تاروں سمیت وہ فون اپنے قبضے میں لے لیا۔ نذیر طارق اس کے زخم دیکھنے لگا تھا۔ وہ خون روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند منٹ مزید گذرے ہوں گے کہ باہر کافی سارے لوگ آ گئے۔ ان میں ایک ڈاکٹر بھی تھا۔ اس نے آتے ہی اس کا معائنہ شروع کر دیا۔

''یہ معین صاحب ہیں، الیکٹرونکس انجینئر۔'' ایک ادھیڑ عمر شخص سے تعارف کرایا گیا۔ وہ پتلا سا تھا۔ اس نے نظر کی عینک لگائی ہوئی تھی۔ وہ میری جانب متوجہ ہوا تو میں نے اسے تفصیل بتا دی۔ ساری بات سن لینے کے بعد اس نے کہا۔

''یہ جو کچھ بھی تھا، انہی کھلونوں کی وجہ سے ہو سکتا تھا۔ میں اسے دیکھ لیتا ہوں۔ جو بھی ہوا میں آپ کو بتا دوں گا۔''

''دھیان یہ رکھیے گا کہ بندہ جدید ترین ٹیکنالوجی استعمال کر رہا تھا۔ کیا کر رہا ہے، وہ ہمیں پتہ چلنا چاہئے۔' میں نے کہا تو اس نے سر ہلایا اور کھلونوں کی جانب متوجہ ہو گیا۔

ہر بندہ اپنے کام کی طرف متوجہ تھا۔ میرا وہاں کوئی کام نہیں تھا۔ اس لیے میں نے نذیر طارق کو بتایا اور اوپری منزل کی طرف چل دیا۔

☆......☆......☆

جس وقت جسپال اوگی پنڈ کے نزدیک پہنچا، اس وقت سورج غروب ہو گیا تھا۔ اس نے ہرپریت کور کو ساری روداد فون پر بتا دی تھی۔ ایسا اس نے اس لیے کیا تھا کہ وہ پریشان نہ ہو۔ اوگی پنڈ کے لوگوں کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ نکودر کی طرف سے آ رہا ہے۔ لوگوں کا ایک ہجوم اس کے راستے میں کھڑا تھا جو اس نے کافی دور سے دیکھ لیا تھا۔ ویسے بھی اسے فون پر معلوم ہو گیا تھا۔ وہ ان کے پاس آن رکا۔ لوگوں نے جذباتی ہو کر نعرہ بازی شروع کر دی۔ وہ کچھ دیر ان کا جوش دیکھتا رہا، پھر کار میں بیٹھے بیٹھے ہی اس نے مائیک پر لوگوں سے کہا۔

''مجھے اگر پکڑ کر لے گئے تھے تو اس کی صرف اور صرف یہی وجہ تھی کہ میں اپنے گاؤں کے ایک غریب بندے کے لیے لڑا، اس کے لیے آواز اٹھائی۔ یہی میرا جرم تھا۔ یہ اگر اس ملک میں جرم ہے تو میں جرم کرتا رہوں گا۔ میں نے اپنی زندگی غریبوں کے نام لگا دی ہے۔ اب دیکھو آپ لوگ اپنی طاقت، جیسے ہی سب لوگ اکٹھے ہو کر تھانے کی طرف گئے، وہ سارے پولیس والے وہاں سے بھاگ گئے۔ یاد رکھو، عوام کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا، یہ سارے افسر جو عوام پر حکم چلا رہے ہیں، یہ عوام کے ملازم ہیں، ہمارے اور تم سب کے ملازم ہیں۔ یہ اگر کسی پر بھی ظلم کرتے ہیں تو انہیں پکڑو، انہیں بتاؤ کہ تم حاکم نہیں ہمارے ملازم ہو۔ آج تک جو یہاں سے اسمبلی کے رکن بنتے رہے ہیں، انہوں نے عوام کو یہ سب بتایا ہی نہیں، وہ صرف اپنے مفاد کی خاطر لوگوں سے ووٹ لیتے رہے ہیں۔ لیکن اب ایسا نہیں ہوگا، میں آج ہی سے بتا رہا ہوں کہ ہم نے ان حاکموں کو اپنا ملازم بنا کر رکھنا ہے۔ یہ لوگ ہماری خدمت کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ اب فیصلہ آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ کسے ووٹ دینا ہے اور کسے نہیں۔'' جسپال نے اتنا ہی کہا اور مائیک واپس کر دیا۔ ڈرائیور نے کار بڑھا دی۔

وہ اپنے گھر کے پاس پہنچا تو وہاں بھی لوگوں کا ہجوم تھا۔ وہ گیٹ کے پاس کار رکوا کر کار سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس کے کپڑے اور چہرہ ابھی تک خون آلود تھا۔ لوگوں کی نظریں اسے تحسین سے دیکھ رہی تھیں۔ یہ جسپال نے وہی باتیں یہاں بھی کیں تو ایک بندہ بڑا جذباتی ہو کر بولا۔

''چاہے کچھ ہو جائے، اس بار الیکشن ہم نے جیتنا ہے۔ ہم لڑیں گے، ہم مریں گے۔ تمہارا شکریہ جسپال کہ

پشیمانی

پشیمانی عقل و خرد سے عاری لوگوں کے لیے ایک سزا ہے جو اپنے کاموں میں پہلے عقل و خرد کو داخل کرتے اور جب دوزخ کے در وا ہوئے ہیں تو پشیمانی انہیں گھیر لیتی ہے۔ پشیمانی جلتے ہوئے چراغ کے اس دھوئیں کی مانند ہے جو چراغ کے جلنے میں معاون نہیں ہوتا بلکہ اس فاسد مادے کی طرح ہے جو محض دھواں بنا کر فضا میں اڑ جاتا ہے۔ پشیمانی سے بچو کہ یہ عقل و خرد کی دشمن ہے اور بن بلائے رات کی تاریکیوں میں آتی ہے اور تمہاری راتیں بے نور آنکھوں کی طرح رہ جاتی ہیں۔

عبدالرحمان......کراچی

تو نے ہمارے پنڈ کی لاج رکھی۔"

"شکریہ میرا نہیں انوجیت سنگھ کا ادا کرو، جس نے آپ لوگوں کے لیے دن رات ایک کر دیا ہوا ہے۔ یہ تو الیکشن والے دن پتہ چلے گا کہ تم لوگ اس کی محبت کا نتیجہ کیا دیتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ پھر سے کار میں بیٹھ گیا۔ کار سیدھی پورچ میں جا رکی۔ جہاں ہرپریت اس کے انتظار میں تھی۔

کلجیت کور ڈرائنگ روم میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اسے دیکھ کر رونے لگی۔ اس نے ہرپریت کی طرف دیکھا۔ ہرپریت نے آنکھوں سے یہی اشارہ کیا کہ بے بے کو کچھ نہیں بتایا۔ وہ اس سے الگ ہو کر بولا۔

"پھوپھو جی، میں اپنے کمرے سے ہو کر آتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے پتر جا، پھر جلدی آ، میں نے تیرے ساتھ بیٹھ کر پرشاد بے شکھنے ہیں۔"

یہ سنتے ہی جسپال اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

میں باتھ روم سے نہا کر باہر آیا تو کمرے میں وہ مخصوص مہک پھیل گئی جو سندر لعل نے مجھے تحفہ دی تھی۔ اگرچہ میں نے باس کو پکڑ لیا تھا اور شاید اب اس کی ضرورت نہیں تھی لیکن نہانے کے دوران مجھے ایک دم سے خیال آیا، سندیپ کور سے میں نے اب تک کوئی معلومات لی ہی نہیں تھی۔ جو کچھ اس نے بتایا تھا وہ فقط تصدیق تھی۔ ابھی بہت کچھ اس سے اگلوانا تھا اور اس کا صرف ایک ہی طریقہ تھا۔ میں نے اسے کچھ وقت دینا تھا، باقی سارا کام یہ مہک کر دیتی۔ میں اچھی طرح تیار ہوا اور پھر اپنے بیڈ پر بیٹھ کر بانیتا کور کو فون کر دیا۔

"یار کچھ کھانے پینے کو ہے، کوئی بھوکا بندہ فریاد کر رہا ہے۔" میں خوشگوار موڈ میں پوچھا۔

"ہم نے تو کھانا کھا لیا ہے، باقی اٹھا کر نیچے دے دیا۔ ہمیں کیا پتہ تھا کہ تم اب تک بھوکے پھر رہے ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چلو، اب کچھ کرو۔" میں نے کہا تو وہ بولی۔

"اچھا میں کچھ کرتی ہوں۔" اس نے کہا اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھول دیا۔ پھر مجھ پر نگاہ پڑتے ہی بولی۔

"ارے واہ، بڑے بن ٹھن کے بیٹھے ہو، کوئی خاص بات؟"

"آؤ، میرے پاس بیٹھو۔" میں نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تو اس نے ایک دم سے بڑی حیرت سے میری جانب دیکھا، پھر آنکھوں تک مسکراتے ہوئے بولی۔

"ایسا ممکن تو نہیں ہے، یقین نہیں آ رہا۔" یہ کہتے ہوئے وہ میرے قریب آ گئی۔ تبھی میں نے کہا۔

"سندیپ کور سے کیا کچھ پوچھا؟" میرے یوں کہنے پر وہ ایک دم سے گڑبڑا گئی، پھر ایک دم سے ہنستے ہوئے بولی۔

"اچھا تو یہ تیاریاں ہیں، میں بھی کہوں کہ برہمن گوشت کھانے کی بات کیوں کر رہا ہے۔"

"میں نے کچھ پوچھا ہے؟" میرے یوں کہنے پر وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔

"ابھی تک میں اس کی سن رہی ہوں۔ اس نے سوائے اپنے بارے میں اور اپنے انسٹیٹیوٹ کے مزید کچھ نہیں بتایا اور نہ میں نے پوچھا، اب تم جو چاہو اس سے پوچھ لو۔"

"پہلے کھانا، اور پھر وہ۔" میں نے کہا تو وہ آنکھ مارتے ہوئے گنگنائی

"یہ نہ تھی ہماری قسمت، کہ وصال یار ہوتا۔"

"اور ڈسٹرب بھی نہیں کرنا۔" میں نے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ پھر باہر نکلتی چلی گئی۔

میں نے نذیر طارق کو فون کیا۔ اس نے مجھے یہی بتایا کہ وہ ہوش میں آ گیا ہے، لیکن خون بہت زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے ابھی تک حواس میں نہیں آ رہا ہے۔ اس کے بدن سے سارے کپڑے اتار لیے گئے ہیں۔ وہ کپڑے اور کھلونے معین انجینئر اپنے ساتھ لیبارٹری لے گیا ہے،

وہ صبح تک اپنی کوئی رپورٹ دے گا۔ باس کو بھی حواس میں آتے ہوئے کچھ وقت لگے گا۔ میں نے اسے یہی ہدایت دی کہ وہ اس کا بہت زیادہ خیال رکھے، یہ بہت زیادہ خطرناک شے ہے۔ میں بات کر رہا تھا کہ درمیان میں فون آنے لگا۔ وہ اروند کا فون تھا۔ میں نے اس کا فون رسیو کیا۔

''آپ اپنا فون بند کر دیں فوراً۔''

''کیا ہوا؟'' میں نے اضطراری انداز میں پوچھا۔

''آپ کا فون ٹریس ہو گیا ہے اور اس کی لوکیشن پتہ کی جا رہی ہے۔ میں نے ابھی تک لوکیشن کا پتہ نہیں لگنے دیا۔ لیکن کوئی پتہ نہیں، آپ بند کریں، میں بانیتا کور کے فون سے بات کرتا ہوں۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے فون کی بیٹری نکالی اور اسے ایک طرف رکھ دیا۔ اسی لمحے ایک خیال میرے دماغ میں رینگ گیا۔ میں اس پر سوچنے لگا تو بہت کچھ میرے دماغ میں آنے لگا۔ پھر میں نے اگلے چند لمحوں میں اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دو منٹ نہیں گزرے تھے کہ سندیپ کور اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں فون پکڑا ہوا تھا۔ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے ایک دم سے اس مہک کے حصار میں آ گئی۔ جب تک وہ بیڈ تک آئی، اس کی حالت کچھ بدلنے لگی تھی۔ وہ بولی کچھ نہیں، بس فون میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے فون دیکھا کال جاری تھی۔ میں نے فون کان سے لگا کر ہیلو کہا تو اروند کہنے لگا۔

''آپ کو یاد ہے کہ انہوں نے راکٹ لانچر مار کر گھر تباہ کیا تھا، جب.....''

''ہاں مجھے یاد ہے۔'' میں نے کہا۔ تبھی میں نے محسوس کیا کہ سندیپ میرے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گئی ہے۔ اس کا ایک ہاتھ میرے بازو پر تھا اور اس نے اپنی ٹھوڑی میرے شانے پر رکھ دی تھی۔

''میں اسی لیے کہہ رہا تھا۔'' اروند نے کہا۔

''میں تمہیں چند منٹ بعد فون کرتا ہوں۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میرے یوں کہنے پر سندیپ چونک گئی۔ جیسے کوئی غلطی ہو گئی ہو۔ لیکن میں نے پیار سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تو اس نے خمار آلود آنکھوں سے میری جانب دیکھا۔ میں نے اس کے نرم ہونٹوں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

''میرے ساتھ باہر چلو گی، آوارہ گردی کرنے؟''

''ہاں، کیوں نہیں۔'' اس نے خمار آلود لہجے میں کہا اور میرے ساتھ مزید چمٹ گئی۔

''تو پھر ایسا کرو، کوئی ڈھنگ کے کپڑے پہنو، لیکن اس سے پہلے بانیتا کور سے کہو کہ کھانے وغیرہ کا کچھ نہ کرے، ہم باہر جا رہے ہیں۔ جلدی۔''

''جی بہتر۔'' اس نے کہا اور کسی روبوٹ کی مانند اٹھ گئی۔ میں اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ پھر فوراً ہی فون اروند کو ملایا۔ اس نے فون رسیو کر لیا تو میں نے کہا۔

''کیوں نہ یہ فون ٹریپ کے لیے استعمال کر لیا جائے، کیا خیال ہے؟''

''کیسے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں یہ فون کہیں ایسی جگہ رکھ دیتا ہوں، جو یہاں سے دور ہو گا۔ وہیں نگرانی کی جائے گی۔ اگر وہ فون تک پہنچ سکتے ہوئے تو پہنچ جائیں گے، ورنہ ان کے بارے میں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہیں؟''

''یہ آپ کر سکتے ہیں تو کر لیں۔ میں انہیں ٹریس کر لینے میں مدد دے دوں گا۔'' اس نے کہا۔

''او کے، تو پھر انتظار کرو، فون آن ہو جانے کا۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر انتہائی تیزی سے نیچے چلا گیا۔ باس ابھی تک حواس میں نہیں تھا۔ نذیر طارق اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ نگرانی پر چند لوگ مامور تھے۔ اس سے ذرا فاصلے پر ڈاکٹر موجود تھا۔ میں نذیر طارق کو اشارہ کر کے ڈاکٹر کے پاس جا پہنچا۔

''اب کیسی طبیعت ہے اس کی؟''

''خطرے میں نہیں ہے۔ بس نارمل ہونے میں ابھی چند گھنٹے لگے گا۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا

’’کیا ایسا ممکن ہے کہ ابھی اسے بے ہوش کر دیا جائے، صبح تک کے لئے؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’ہاں، کیوں نہیں، بلکہ اس طرح وہ جلدی ری کور ہو جائے گا۔‘‘ ڈاکٹر نے جواب دیا

’’بس تو پھر اسے ایسے ہی کریں۔ اس کے ساتھ صبح ہی ہو گی۔‘‘ میں نے کہا اور اٹھ گیا۔ میرے ساتھ نذیر طارق بھی اٹھ گیا۔ میں اسے باہر لے آیا۔ پھر اسے اپنا پلان بتایا۔ وہ فوراً ہی تیار ہو گیا۔ ہم نے ایک جگہ طے کر لی، جہاں انہیں ٹریپ کرنا تھا۔ اس کے سب فائنل کر کے میں اوپر چلا گیا۔

میں نے اپنے کمرے سے فون لیا۔ بانیتا کور کو اس کا فون واپس کر کے سندیپ کور کو لے کر نیچے آ گیا۔ میں نے اپنے لیے فور وہیل پسند کی۔ میں اس میں بیٹھا تو سندیپ میرے ساتھ پسنجر سیٹ پر آن بیٹھی۔ میں نے نذیر طارق کو اپنا فون دیا اور سندیپ کے ساتھ نکل گیا۔

نذیر طارق نے پہلے سیدھا مارکیٹ جانا تھا۔ وہاں کی ایک دوکان سے ایک عام سا سیل فون لے کر میری سم کا سارا ڈیٹا فون میں رکھ کر وہ سم عام سے فون میں ڈال دینا تھی۔ ایک نیا نمبر اس کے پاس تھا۔ اس نے وہ اپنے فون میں ڈالنا تھا۔ پھر بانیتا کور کو وہ نمبر بھیج دینا تھا۔ مجھے میرا فون وہیں مل جانا تھا، جہاں نذیر طارق نے مجھے ملنا تھا۔ میں اب پر سکون تھا کیونکہ ٹریپ کے لیے انہوں نے پہلے پہنچ جانا تھا۔

’’جمال۔! کیا سوچ رہے ہو؟‘‘

’’تمہارے بارے میں۔‘‘ میں نے رومانوی انداز میں کہا اور ساتھ ہی اس کے گالوں پر پھیلے ہوئے گیسو ہٹا دیئے تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

’’میرے بارے میں کیا سوچ رہے تھے؟‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے ناز سے پوچھا۔

’’دیکھو سندیپ، میں نے جب تمہیں پہلی نگاہ میں دیکھا تھا تو یقین کرو، میرا دل دھک سے رہ گیا۔ اتنی حسین کہ خوابوں کی سی لڑکی، کیوں اس دنیا میں چلی آئی تم، جہاں ایک معمولی سی بلٹ اتنے بے مثال حسن کو ختم کر کے رکھ دے۔ تمہارا مقام تو شہزادیوں جیسا ہے، کوئی محل ہو، اور اس میں تم راج کرو۔‘‘ میں نے از حد جذباتی لہجے میں کہا جیسے مجھے بڑا افسوس ہو رہا ہو۔

’’آپ بھی خواب دیکھنے لگے ہو، دوسرے مردوں کی طرح۔‘‘ اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

’’پہلی بات تو یہ ہے کہ میں مرد ہوں، ایک حسین لڑکی جو اپنے حسن میں یکتا ہو، اسے دیکھ کر کوئی خواب نہ دیکھے تو یہ حسن کی توہین ہے سندیپ۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ صرف خواب ہی نہیں ہیں میری جان، تمہیں دیکھ کر پہلی بار احساس ہوا ہے کہ تمہیں دور کہیں وادیوں میں لے جا کر چھپ جاؤں، دنیا کی نگاہوں سے دور پرے۔ جہاں صرف تم اور میں ہوں۔ اور بس۔‘‘ میں نے کہا تو اس نے اپنا سر میرے کاندھے پر رکھ دیا۔

’’کاش میں تم سے پہلے مل لیتی۔ تمہیں دیکھ کر لگ رہا تھا کہ شاید تم موم نہیں کوئی پتھر ہو، مگر تمہارا دل تو شیشے کے جیسا ہے۔ میں اب سوچ رہی ہوں کاش میں اس دنیا میں نہ آتی، پھر سوچو جمال، ہم ملتے کیسے؟‘‘ اس نے دھیمے لہجے میں سکون سے کہا۔

’’ہاں۔ یہ تو ہے۔‘‘ میں نے کہا اور سامنے مجھے ایک ریستوران دکھائی دے رہا تھا۔ سو میں نے فور وہیل وہیں پارک کر دی۔ مجھے وہاں سے نکلنے کے لیے کم از کم ایک گھنٹہ درکار تھا۔ وہ وقت میں نے وہیں بتانا تھا۔

ہم سکون سے ایک میز پر جا بیٹھے تو ویٹر آ گیا۔ میں نے کھانے کا آرڈر دیا اور سندیپ کے ساتھ باتوں میں کھو گیا۔ وہ اپنے بارے میں وہی کچھ بتانے لگی جو وہ بانیتا کور کو پہلے بتا چکی تھی۔ میں کھانے کے دوران اس کی باتیں سنتا رہا۔ یوں میں نے وہاں ایک گھنٹہ بتا دیا۔ کھانے کے بعد ہم وہاں سے نکلے اور بظاہر یونہی آوارہ گردی پر نکلے تھے۔ لیکن میں اس طرف جا رہا تھا، جہاں نذیر طارق پہنچ چکا تھا۔

وہ شہر قصور کے پاس ایک جگہ تھی۔ شہر سے پہلے ہی

دائیں جانب ایک سولنگ نکلتا تھا۔ اس سے آدھا کلومیٹر کے فاصلے پر ایک فارم ہاؤس قسم کا ڈیرہ تھا۔ فون وہیں رکھ دیا گیا تھا۔ میں اس سے ذرا فاصلے پر فوروہیل روک کر اتر گیا۔ سامنے ایک کنواں تھا۔ اس پر ایک زرد بلب روشن تھا۔ کنواں اب ختم ہو چکا تھا لیکن وہاں بیٹھنے کو بڑی اچھی جگہ بنائی ہوئی تھی۔ سندیپ بھی اتر آئی۔ ہم دونوں چلتے ہوئے اس کنواں پر چلے گئے۔ وہاں چارپائیاں اور کرسیاں دھری ہوئی تھیں۔ میں ایک چارپائی پر جا کر لیٹ گیا تو سندیپ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''تم کیا کہہ رہی تھی؟'' میں نے جان بوجھ کر بات چھیڑ دی۔

''یہی کہ بندہ سوچتا کچھ ہے اور ہو کچھ جاتا ہے۔ میں اس زندگی میں نہیں آنا چاہ رہی تھی، مگر آ گئی۔ کیا کرتی مر جاتی۔ میں ادارے میں بھی آ گئی، وہاں جوائن بھی کر لیا، لیکن مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ میں اپنی سابقہ زندگی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہلکان ہو رہی تھی۔ لیکن جس دن مجھے کیپٹن شرما ملا، اس دن کے بعد میں نے اپنی سابقہ زندگی کا بوجھ اتار پھینکا، اس نے مجھے ایک نئی زندگی سے آشنا کیا۔'' وہ یوں کہہ رہی تھی جیسے خواب میں بات کر رہی ہو۔ وہ سانس لینے کو رکی تو میں نے پوچھا۔

''ایسا کیا تھا اس میں جو ایک ملاقات میں.....''

''نہیں نہیں ایسا نہیں کہ وہ مجھے پہلے دن ملا اور میں اس پر مر مٹی اور سب بھول گئی۔ وہ میرا انسٹرکٹر تھا۔ یہی خوشبو جو تم میں سے آ رہی ہے، وہ لگاتا تھا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وہ بھی مجھے بڑے غور سے دیکھتا۔ دو ماہ اسی طرح گزر گئے۔ دھیرے دھیرے ہماری دوستی ہوگئی۔ وہ مجھے کبھی فلم دکھانے لے جاتا، کبھی کسی ریستوران میں، اور کبھی ویسے ہی لانگ ڈرائیو پر۔ ایک دن اس نے مجھے زندگی کی اہمیت کے بارے میں بتایا۔ اس نے بتایا کہ یہ جذبے کچھ نہیں ہوتے ہیں، صرف مقصد ہوتا ہے۔ چھوٹا مقصد یا پھر کوئی بڑا مقصد۔ اس دن وہ میرے دماغ پر چھا گیا۔ میں نے اس کی ہر بات کو قبول کیا اور کرتی چلی گئی۔ میں بدن کی لذت سے آشنا تھی لیکن جو لذت اور سرور اس نے دیا، اس کی وجہ سے میں سب کچھ بھول گئی۔ مجھے لگا زندگی ہی یہی ہے۔ ہم ایک دن اور ایک رات دونوں تنہا ایک ہل سیاٹ پر رہے۔ اور میری زندگی بدل گئی۔ واپس جب انسٹیٹیوٹ میں آئے تو میں ایک نئی سندیپ تھی۔ زندگی سے بھرپور۔'' اس نے خمار آلود لہجے میں کہا اور میرے ساتھ لپٹتی چلی گئی۔ اس کی گرم سانسوں کی حدت میں اپنے سینے پر محسوس کر رہا تھا۔

''اس انسٹیٹیوٹ میں کیا سکھایا جاتا تھا۔ کیا مقصد دیا پھر انہوں نے تمہیں، کیا کرنا تھا تم نے یہاں۔'' میں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

''وہاں صرف یہ بتایا جاتا تھا کہ دوسرے کو ٹریپ کس طرح کرنا ہے۔ دوسرے کا مقصد کس طرح بھلانا ہے اور اپنی راہ پر کیسے لگانا ہے۔ تم اسے یوں سمجھ سکتے ہو، جیسے کوئی جانباز سپاہی اپنی جان دینے کے لیے اپنی منزل کی طرف جا رہا ہو۔ میرا کام یہ ہے کہ میں اسے اپنی جانب کیسے متوجہ کرتی ہوں اور اسے اپنا مقصد بھلا کر کس طرح اپنی راہ پر لاتی ہوں۔'' اس نے اپنی انگلیاں میرے گالوں پر پھیرتے ہوئے کہا۔

''تم تو بہت اچھی فائیٹر ہو، پھر یہ کیوں؟'' میں نے پوچھا تو وہ بولی۔

''ہمیں کہیں بھی کسی فن کی ضرورت پڑ سکتی ہے، ہمیں اداکاری بھی سکھائی گئی۔ میک اپ کرنے سے لے کر جدید ترین اسلحہ چلانے تک سب کچھ سکھایا گیا ہے۔''

''کیوں، کس مقصد کے لئے؟''

''کہا نا سوچ تبدیل کرنے کے لئے۔ مطلب ایک ڈی وی ڈی ہے۔ اس میں ایک سی ڈی چل رہی ہے۔ ڈی وی ڈی وہی دکھائے گا جو اس سی ڈی پر ہے۔ ڈی وی ڈی بے چاری کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ سی ڈی نکال کر دوسری لگا دو، اسکرین پر وہی ہوگا، جو ایک سی ڈی میں ہے۔ انسان کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ تو وہی عمل کرے گا جو اس میں سوچ ہے۔ کہہ لو کہ اس کے اعمال اس کی سوچ کو

ظاہر کر رہے ہیں یا سوچ کا مظہر اس کے اعمال ہیں۔ میرا کام صرف سی ڈی تبدیل کرنا ہے۔'' وہ یوں کہہ رہی تھی جیسے کسی ٹرانس میں ہو۔ تب میں نے پوچھا۔

''یہاں کیا مقصد دے کر بھیجا گیا ہے تمہیں؟''

''یہی کہ یہاں آکر شادی کروں۔ بچے پیدا کروں، پہلے اپنے شوہر کو اپنے خاص ٹریک پر لاؤں، پھر اپنے بچوں کو، جتنے بچے ہوں گے، کل وہ ماں باپ بنیں گے۔ میرے اردگرد جو لوگ ہیں، عورتوں مردوں کو اپنی سوچ پر لاؤں۔ کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ میں نے لوگوں کی سوچ بدلنی ہے۔ اس کے لیے، میں، میرا جسم کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ میں اپنے شوہر کے علاوہ کسی ایک بندے کو جال میں پھنسا کر اس سے جو مرضی کروا سکتی ہوں۔''

''کیا تمہیں اس میں کوئی کامیابی ملی؟'' میں نے پوچھا۔ تو وہ بولی۔

''ہاں۔ میرا پہلا تجربہ دہلی میں موجود ایک مسلمان لڑکا تھا، فرید الدین اس کا نام تھا، وہ مجھ پر عاشق ہو گیا۔ میں نے اسے یوں بدلا کہ اب وہ نہ ہندو ہے اور نہ مسلم۔''

''ایسا کیوں کیا جا رہا ہے سندیپ کیا تم نے کبھی سوچا؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے سوچنے کی ضرورت ہی نہیں۔ جسمانی لذت، پیسہ، اچھی زندگی، جب مل رہی ہے تو مجھے سوچنے کی ذرہ برابر بھی ضرورت نہیں۔ مجھے سسک سسک کر جینے، دوسروں کی بے وفائی پر ماتم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے نرم ہونٹ میری گردن پر رکھ دیئے۔ میں چند لمحے ساکت رہا۔ میں اس کا خوفناک منصوبہ سمجھ گیا تھا۔ اس کا بدن گرم ہو رہا تھا جبکہ میرا دماغ تپنے لگا تھا۔ تب اچانک میں نے اسے خود سے الگ کر دیا اور اٹھ بیٹھا۔ وہ تڑپ کر سیدھا ہوتے ہوئے بولی۔ ''کیا ہوا؟''

''کیا مجھے بھی تم ٹریپ کر رہی ہو؟'' میں نے اسے سامنے بٹھا کر پوچھا۔

''نہیں، بالکل نہیں، میں تو تم میں اسی کو دیکھ رہی ہوں، میں تو دل سے تمہاری ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تم میرے اپنے ہو۔'' اس نے منتشر لہجے میں یوں کہا جیسے کسی بچے سے اس کا کھلونا چھین لیا گیا ہو۔

''سندیپ کور، مجھے تم سے انتہائی ہمدردی ہے۔ کیونکہ تم خود ٹریپ ہو چکی ہو، جنہوں نے تمہیں اس طرح کا بنا دیا ہے، انہوں نے پہلا تجربہ تم پر کیا ہے۔ پتہ ہے انہوں نے تمہیں کیا بنا دیا ہے، ایک کتیا۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ یوں بولی جیسے اسے مجھ سے ایسی بات کی توقع نہ ہو۔ میں نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

''یورپ، امریکہ یا ایسے ہی ملکوں کے کلچر میں لڑکیوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو خود کو بچ یعنی کتیا کہلوانے میں اور کتیا جیسا طرز عمل اپنانے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ جنسی مہک چھوڑتی ہیں اور اپنے پیچھے ہر وقت لڑکے لگائے رکھتی ہیں۔ جس کے پیچھے جتنے لڑکے ہوں گے، اتنی ہی ''قابل فخر'' سمجھی جاتی ہے۔ کیا تم جانتی ہو؟''

''ہاں میں جانتی ہوں۔ لیکن اس میں ان لڑکیوں کا کیا قصور، ان کا معاشرہ انہیں اجازت دیتا ہے۔'' وہ احتجاجاً بولی۔

''مان لیا، لیکن یہ بھی تو دیکھو، وہ معاشرہ انہیں بنا کیا رہا ہے، ایک کتیا، مطلب اسے انسان نہیں ایک حیوان بنانا چاہتا ہے۔ جو دوسروں کی سوچوں کو بنا سوچے سمجھے قبول کر کے حیوانی زندگی گزارے چلے جا رہے ہیں۔ انسان ایسا نہیں اور تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔''

''میں نہیں سمجھتی کہ میرے ساتھ کچھ ہوا ہے؟'' وہ تنک کر بولی۔

''تم کون ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں سکھ ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا۔

''تو کیا تم سکھ رہی ہو؟ کیا تم جانتی ہو کہ سکھ روایات کیا ہیں؟ کور کیا ہوتی ہے؟ انہوں نے ایک دشمن قوم کا ذہن بدلنے کے لیے اپنی ہی دوسری دشمن قوم کو استعمال کیا ہے۔ کوئی سکھ بھی چوراسی کا سانحہ نہیں بھول سکتا، مگر وہ

تمہیں بھلانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ انہوں نے تمہیں کور سے ایک کتیا بنا دیا۔ کیا ہو تم؟ ایک کور ہو یا کتیا؟'' میں نے کہا تو وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگی۔ پھر کافی دیر بعد مردہ لہجے میں بولی۔

''میں نے تو ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔''

''سوچو۔! اور خوب سوچو، جتنا سوچو گی، تمہیں اپنا آپ نظر آئے گا۔ آخر میں تمہیں یہی لگے گا کہ تمہیں ایک انسان سے جانور بنا دیا گیا ہے۔ میں اس موضوع پر تم سے جتنی چاہو بات کر سکتا ہوں۔ کیونکہ یہ صرف تمہارے ساتھ نہیں ہوا۔ دنیا میں جھوٹے آدمی عورت ہی کو استعمال کرتے ہیں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو ہم میں خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد سندیپ کور کے سسکنے کی آواز آئی، میں نے اسے رونے دیا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ خوب جی بھر کے رو لے۔

کنواں اور ڈیرہ نما فارم ہاؤس کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ کنواں پر مدہم روشنی تھی، جبکہ ڈیرے پر دو بلب روشن تھے۔ میں رسٹ واچ دیکھی، رات کے ایک بجے سے زیادہ وقت ہو گیا ہوا تھا۔ لیکن ذرا سی بھی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔ میرے پاس رابطے کے لیے فون نہیں تھا۔ اس لیے میں صرف فائرنگ کی ہی آواز کا منتظر تھا۔ جیسے ہی فائرنگ ہوتی، مجھے فارم ہاؤس تک جانا تھا۔ میں اس منظر میں کھویا ہوا تھا، جبکہ سندیپ روتی چلی جا رہی تھی۔ اچانک وہ ایک دم سے خاموش ہو گئی۔ پھر بولی۔

''واپس چلیں۔''

''ابھی نہیں، مجھے کسی کا انتظار ہے۔'' میں نے کہا۔

''کس کا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''اپنے دشمن کا۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''کون ہے تمہارا دشمن؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''تم، تم ہو میری دشمن، تم کب اپنا رنگ دکھاتی ہو، یہ بالکل نہیں کہا جا سکتا۔ تمہارے دل میں کیا ہے، میں نہیں جانتا، تم صرف جسم کی پکار پر میری جانب بڑھی ہو، اور ایسا نہیں ہو سکا، اب میں تمہارے لیے بے فائدہ ہوں، تم کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتی ہو۔'' میں نے جان بوجھ کر اس پہ طنز کیا۔

''میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گی۔'' اس نے جواب دیا تو میں نے پوچھا۔

''کیوں؟''

''میں اس پر بھی کچھ نہیں کہوں گی۔'' یہ کہہ کر وہ چارپائی سے اٹھ گئی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ تقریباً دو بجے کے قریب ایک بائیک کو فارم ہاؤس سے نکلتے ہوئے دیکھا، وہ کنواں کے ٹریک پر آئی اور ہمارے قریب آتا چلا گیا۔ سندیپ ایک دم سے الرٹ ہو گئی۔

''یہ وہی لوگ ہیں، جن کے کنویں پر ہم بیٹھے ہیں۔'' میں نے کہا تو وہ کافی حد تک ریلیکس ہو گئی۔ چند لمحے بعد نذیر طارق کے ساتھ اس کا ماتحت سامنے آ گیا۔ اس نے پہلے سندیپ کی طرف دیکھا، پھر اسی کی طرف توجہ کیے بغیر میری طرف آ گیا اور سیل فون مجھے دیتے ہوئے بولا۔

''آپ کی ایک کال بار بار آ رہی ہے، نمبر بھی کوئی نہیں، میں نے کہا ضروری ہی نہ ہو۔''

''ٹھہرو۔! مجھے رابطہ کرنے دو۔'' میں نے اسکرین پر دیکھا، وہ ارونڈ کال کر رہا تھا۔ میں نے کال کی تو اس نے فون پک کرتے ہوئے کہا۔

''شاید وہ لوگ آپ کی چال کو سمجھ گئے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا اب کچھ ہونے والا ہے؟'' اس نے کہا۔

''وہ کیسے؟'' میں نے پوچھا۔

''انہوں نے فون ٹریس ہی نہیں کیا۔ میرا خیال ہے آپ وقت ضائع نہ کریں۔'' اس نے کہا، پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ بولا ''وہ جو باس ہے، اس کے بارے میں کافی معلومات ملی ہیں۔ وہ میں نے آپ کو میل کر دی ہیں۔''

''او کے میں دیکھتا ہوں۔'' میں نے کہا اور فون بند کر کے جیب میں ڈالا اور نذیر طارق کو نکلنے کا اشارہ کیا۔ وہ واپس پلٹ گیا۔ میں نے سندیپ کور کی طرف دیکھا اور

چل پڑا۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ سندیپ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی میرے ساتھ والی سیٹ پر آن بیٹھی۔ میں نے واپس جانے کے لیے گیئر لگا دیا۔

میں نے صرف دو گھنٹوں کے لیے آنکھ لگائی تھی۔ سونے سے پہلے میں نے بانیتا کور کو مختصر بتا کر الرٹ کر دیا تھا کہ اب سندیپ کور کچھ بھی کر سکتی ہے۔ سلمان اور فہیم آ چکے تھے اور کمرے میں موجود فون کا ''آپریشن'' کرنے میں مصروف تھے۔ میں بیدار ہوا تو ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے منہ پر پانی کے چھپکے مارے اور نیچے جانے لگا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے میں نے اروند کو فون کیا تو دوسری جانب رونیت کور تھی۔ میری کئی دنوں بعد اس سے بات ہوئی تھی۔ حال احوال کے بعد میں نے پوچھا۔

''کیا حال ہے، کیسے گزر رہی ہے؟''

''بہت اچھا، یہاں بہت سکون ہے اور مجھے سیکھنے کو بہت کچھ مل رہا ہے، مطلب وہ سب جو اس وقت دنیا میں سب سے ٹاپ پر ہے، جدید ترین ٹیکنالوجی استعمال کر رہی ہوں۔ بھارت تو کنویں کا مینڈک تھی۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''چلو، ٹھیک ہے، اروند بزی ہے کیا؟'' میں نے پوچھا تو وہ تیزی سے بولی۔

''وہ سو رہا ہے۔ آپ نے جو معلومات اس کے ذمے لگائی تھیں۔ وہ میرے پاس ہیں۔''

''بتاؤ۔'' میں نے آخری سیڑھی اترتے ہوئے کہا اور رک کر رونیت کور کی بات سننے لگا۔

''وہ تصویر ایک آرمی آفیسر کی ہے۔ بنیادی طور پر وہ ہندو ہے اور صورت گڑھ کے قریب ایک گاؤں شیو نگر کا رہنے والا ہے۔ اس کا نام سنیل ورما ہے۔ تقریباً گیارہ برس پہلے اس نے آرمی جوائن کی تھی۔ اس کے پروفائل میں لکھا ہوا ہے کہ وہ کافی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ وہ صلاحیتیں کیا ہیں، اس کی کوئی تفصیل نہیں ملی۔ باقی اس کی ڈگریاں ہیں، اور اس کے اعزازات وغیرہ ہیں۔''

''او کے رونیت، میں بعد میں بات کرتا ہوں۔'' میں نے کہا اور باہر کی جانب چل دیا۔ میں گھوم کر اس جگہ آ گیا جہاں سے تہہ خانے کے لیے راستہ اترتا تھا۔ اور پھر تہہ خانے میں اتر گیا۔

وہاں سکون تھا۔ نذیر طارق ایک طرف پڑا تھا۔ اس کے قریب ہی ڈاکٹر سویا ہوا تھا۔ چار گارڈ ہر کونے میں موجود تھے اور سنیل ورما بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی نذیر طارق اٹھ گیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کافی تھک گئے ہو؟''

''نہیں تھکا نہیں، بس انتظار کی کوفت تھی۔'' اس نے مستعد ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ بے ہوش ہے یا.....'' یہ پوچھتے ہوئے میں جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''دوا کے زیر اثر ہے۔ ابھی جگا دیتا ہوں۔'' اس نے کہا تو میں نے اسے اٹھانے کا اشارہ کیا۔ نذیر طارق اس کے پاس گیا اور اسے اٹھا دیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے پہچان نہیں پایا۔ میں چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا، پھر بولا۔

''کیسے ہو باس؟'' میں نے کہا تو وہ بری طرح چونک گیا۔ اس نے میری آواز پہچان لی تھی۔ وہ اٹھ کر میری طرف ہونقوں کی مانند دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ تب میں نے کہا۔ ''باس تم تو مجھ تک نہیں پہنچ پائے، لیکن میں نے تمہیں پکڑ لیا۔ مجھے یقین نہیں ہو رہا کہ اتنے بڑے دعوے کرنے والا، ایک حقیر چوہے کی طرح پھنس گیا۔''

اس نے میری بات سنی اور چند لمحے میری طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

''صرف دو چیزیں..... صرف دو چیزوں نے تمہارا ساتھ دیا ہے تو تم مجھے پکڑ پائے ہو ورنہ تیرے فرشتے بھی مجھ تک نہ پہنچ سکتے، اور وہ ہیں، قدرت اور اتفاق، قدرت نے تیرا ساتھ دیا، اور اتفاق ایسا بن گیا کہ تم مجھ تک پہنچ گئے ورنہ، میں جانتا ہوں کہ تیری اتنی اوقات نہیں ہے۔''

اس کے لہجے میں وہی نفرت عود کر آئی تھی، جو میں اس سے پہلے پکڑے ہوئے لوگوں کی آنکھوں میں دیکھی تھیں۔ اسی لمحے میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں نے سنیل ورما کو کوئی جواب نہیں دیا بلکہ نذیر طارق کو ایک طرف آنے کا اشارہ کیا۔ وہ میرے ساتھ ذرا سا الگ ہوا تو میں نے اس سے کہا۔

''پتہ کرو، جو لوگ ہم نے پکڑے تھے، وہ کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ فوراً۔''

''او کے۔'' اس نے کہا اور باہر کی جانب چل دیا۔ میں واپس پلٹ کر اس کے پاس آ گیا اور اس کے ماتھے پر انگلی رکھتے ہوئے بولا۔

''میری اوقات کیا ہے اور کیا نہیں، یہ تو رب جانے، لیکن تو اپنی اوقات دیکھ کہ تو اس وقت کس حالت میں سنیل ورما۔ ایک لمحہ ہے میرے پاس اور ایک چھوٹی سی بلٹ یہاں اتار دوں۔ یہ ہے تیری اوقات؟''

میں نے کہا نا تیری قسمت اچھی ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں یہ جو تو کھڑا بڑی بڑی باتیں کر رہا ہے، تیرا وقت ہے تو کر سکتا ہے، گولی مار دو یا نہ مارو، مجھ پر تیرا کوئی احسان نہیں ہے۔'' اس نے اسی نفرت سے کہا۔

''میں بھی تم پر کوئی احسان نہیں کرنا چاہتا، میں چاہتا ہوں کہ جتنے بڑے تیرے دعوے تھے، اور جتنی بڑی باتیں تو اب کر رہا ہے، اتنے دلیر بھی ہو؟ مجھے ذرا سی خوشی تو ہو کہ میرا دشمن کوئی دلیر آدمی ہے، کوئی ہیجڑا نہیں، جواب ایا ہجوں کی طرح پڑا، جسے یہ پتہ ہی نہیں چلا کہ اس کے ساتھ آخر ہوا کیا ہے؟''

''باتیں ہی کرو گے یا مجھے گولی بھی مارو گے؟'' اس نے کہا تو میں ہنستے ہوئے بولا۔

''خودکشی کرنا چاہتے ہو، یہ تو بزدل لوگ کرتے ہیں۔'' یہ کہہ کر میں ایک لمحے کے لیے رکا اور کہا۔

''تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ، تندرست، اس کے بعد میں تم سے پوچھوں گا کہ تم آخر مجھ سے چاہتے کیا تھے؟ کیوں میری طرف متوجہ......''

''اتنے لمبے وقت کی ضرورت نہیں ہے، ابھی کہے دیتا ہوں، تم نے میرے ملک میں بڑے ہنگامے کیے ہیں اور میں تمہیں پکڑنے کا ٹارگٹ لے کر یہاں آیا تھا، میں نے تجھے واپس لے جانا ہے، اب بھی میرا دعویٰ ہے۔'' اس نے ایک دم سے غراتے ہوئے کہا۔

''اپنے انہی چند کرتبوں سے، جس کی وجہ سے تم مجھے پکڑ نہ سکے؟'' یہ کہہ کر میں جان بوجھ کر ہنس دیا، حالانکہ مجھے اس پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ ''خیر۔! تم ذرا آرام کرو، ٹھیک ہو جاؤ، پھر تیرے ساتھ بات کروں گا۔''

ہماری انہی باتوں کے دوران ڈاکٹر اٹھ گیا تھا۔ وہ ہمارے قریب آن کھڑا ہوا۔ اس سے پہلے کہ میں ڈاکٹر سے کچھ پوچھتا، میری نگاہ تہہ خانے کے دروازے پر پڑی، وہاں سندیپ کور کھڑی تھی۔ میں تیزی سے اس کی طرف لپکا اور اس کے پاس جا کر کہا۔

''کیا بات ہے، تم یہاں کیوں آئی ہو؟''

اس نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے ہونقوں کی مانند پوچھا۔

''یہاں کوئی بھارتی رکھا ہوا ہے، کوئی قیدی......؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے؟'' میں نے اس کے بدلے ہوئے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں ایک بار اسے دیکھنا چاہتی ہوں، پلیز، مجھ پر یقین کرو، میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گی جس سے تمہیں کوئی نقصان ہو، پلیز۔'' اس نے یوں لجاجت اور منت بھرے لہجے میں کہا کہ مجھے خود تجسس ہونے لگا۔ یہ کیا چاہتی ہے اور ایسا اس نے کیسے سمجھا کہ یہاں کوئی قیدی ہے اور وہ بھی بھارتی؟

''پہلے یہ بتاؤ، تمہیں پتہ کیسے چلا؟''

''ایک مہک ہے، جو مجھے اس کی جانب کھینچ رہی ہے ممکن ہے وہ وہی ہو۔'' وہ ٹرانس میں بول رہی تھی۔

''آؤ۔'' تب میں نے ایک دم سے رسک لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ میرے ساتھ چل پڑی، میں اس کے ساتھ یوں محتاط ہو کر چل رہا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے

اگر کچھ کرنے کی کوشش کرے تو میں کچھ نہ کچھ تو کر سکوں۔ وہ نرم قدموں سے چلتی ہوئی نیچے پہنچ گئی۔ پھر جیسے ہی اس نے سنیل ورما کی طرف دیکھا تو اس کے منہ سے سسکاری نما حیرت سے نکلا

''کیپٹن شرما تم؟''

وہ ایک لمحے کے لیے حیران ہوا، پھر ایک دم سے یوں نارمل ہو گیا جیسے اسے قطعاً حیرت نہ ہوئی ہو۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ تبھی میں نے کہا۔

''یہ تو سنیل ورما ہے؟''

''اب سمجھی ہوں، اس کے کئی نام ہو سکتے ہیں، جمال، یہ وہی ہے، میں نے جس کے بارے میں تمہیں بتایا تھا۔ یہی ہے، جو تیرے جیسی خوشبو لگاتا تھا۔'' وہ چیختے ہوئے بولی تو سنیل ورما یا شرما کے منہ سے بے ساختہ نکلا

''اچھا، تو تمہیں وہ خوشبو بچا گئی، میں بھی کہوں، میرا شکار کبھی بھاگ نہیں سکتا، یہ چمتکار کیسے ہو گیا؟'' پھر لمحہ بھر رک کر بولا۔

''کہا نا قدرت اور اتفاق ہی نے تجھے بچایا ہے اور سندیپ کور کا یہاں ہونا میری اس بات کا ثبوت ہے۔'' یہ کہہ کر وہ پاگلوں کی مانند ہنس دیا۔

''کھانا کھاؤ گے؟'' میں نے سکون سے پوچھا۔

''نہیں، مر جاؤں گا، تیرے ہاتھ سے کھانا نہیں کھاؤں گا، مجھے آزاد کر دیا مجھے مار دو، بس۔'' اس نے نفرت سے کہا تو میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا۔

''جا، تجھے آزاد کیا۔ تم جا سکتے ہو۔''

یہ کہتے ہوئے میں نے گارڈز کو کچھ بھی نہ کرنے کا اشارہ کر دیا۔ وہ یوں ہو گئے جیسے اس کے جانے پر کچھ بھی نہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ پھر میں اسے اشارہ کیا کہ وہ جا سکتا ہے۔ وہ بیٹھا سوچتا رہا، پھر ایک دم سے بیڈ پر ڈھ گیا۔ تبھی سندیپ آگے بڑھی اور اسے بالوں سے پکڑ کر بولی۔

''مرد بن، ہیجڑا نہ بن، اس نے تجھے جانے کا کہہ دیا ہے تو اب جاتا کیوں نہیں، نکل اور دفعہ ہو جا یہاں سے؟'' یہ کہتے ہوئے اس نے زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مار دیا۔ وہ تڑپ کر رہ گیا۔ ''یا پھر بکو، جو کچھ یہ جمال پوچھ رہا ہے۔''

''مجھے اس سے کچھ نہیں پوچھنا اور یہ اپنے بے وقوفی کی وجہ سے اپنا راستہ خود کھوٹا کر بیٹھا ہے۔ اب بھی وقت ہے جا سکتے ہو۔'' میں نے باہر کی جانب جانے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہ وہیں پڑا رہا۔ تبھی میرا فون بج اٹھا۔ وہ سلمان کا فون تھا

''ہیلو، کہاں ہو؟''

''بولو بات کیا ہے؟''

''ہم نے وہ فون دیکھ لیا، اسی کے بارے میں بتانا تھا، خاصی جدید تکنیک ہے، اتنی ایڈوانس کہ کوئی عام آدمی اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''میں آ رہا ہوں تمہارے پاس۔'' میں نے کہا اور باہر کی جانب چل دیا۔ میں نے ان سب کو وہیں رہنے دیا میں نے بہت بڑا رسک لیا تھا۔ یہ رسک میں نے سندیپ کور کے لیے لیا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیا کرتی ہے۔ اس وقت وہ کیا کرتی ہے، اس کے اسی عمل پر میں اس کے بارے میں فیصلہ کرنے والا تھا۔ میں جونہی تہہ خانے سے باہر نکلا، نذیر طارق تقریباً بھاگتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ میرے قریب پہنچ کر تیزی سے بولا۔

''یہ آپ نے کیسا فیصلہ کر دیا، اسے جانے کا کہہ دیا۔''

''میں نے کہہ دیا، اب تم جو چاہو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ سمجھ گیا کہ میں کیا چاہ رہا ہوں۔ اس نے اطمینان کی طویل سانس لی۔ وہ تہہ خانے میں ہونے والی باتیں وہیں کہیں لگے ہوئے مائیک سے سن رہا تھا۔ یہ جان کر مجھے خود اطمینان ہو گیا

''میں نے کچھ پوچھا تھا؟''

''وہ چھ بندے ہیں، ان میں دو ہندو ہیں اور باقی چار سکھ ہیں۔''

''ٹھیک ہو گیا۔ اب تک میں تمہیں بتاؤں گا کہ ان

کے ساتھ کیا کرنا ہے، تم، تمہارا محکمہ اور تمہاری وزارت ایک بڑے کارنامے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور تیزی سے اوپر کی جانب چلا گیا۔

وہ دونوں میرے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان کے پاس جا کر بیٹھا تو سلمان نے باس کا سیل فون میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''ایک عام سے فون میں ایسا پروگرام ہوتا ہے کہ آپ اس میں بولو تو وہ سامنے سے لفظ اسکرین پر دکھا دیتا ہے۔ جبکہ اس فون میں ایک سپر سانئس تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ یہ بھی اسی بنیاد پر ہے، اس کا تعلق انسان سے جوڑا گیا ہے۔''

''کیسے؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''دیکھیں، ہر انسان کے بدن سے جہاں حرارت خارج ہوتی ہے، وہاں اس کی اپنی مخصوص لہریں بھی نکلتی ہیں، یہ ہر انسان میں انفرادی ہوتی ہیں۔ ہر انسان کی لہریں دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ جیسے ہر سیل فون کا الگ سے نمبر ہوتا ہے، یا پھر انسانی جسم میں اس کے ہاتھ کی لکیریں یا انگوٹھے کا نشان۔ ہر انسان ایک دوسری انسان سے بہت ساری باتوں میں منفرد ہے۔ تو انہوں نے اپنی تکنیک کو انسانی جسم سے خارج ہونے والی لہروں پر رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے تمہارے جسم کی لہروں کو کھوجا ہے۔ اور پھر اسے اس میں فیڈ لیا۔ تم جہاں بھی ہوں گے، اس اسکرین پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ دیکھیں۔'' یہ کہہ کر اس نے اسکرین کو روشن کیا۔ اس پر تین لہریں بہت سٹرونگ تھیں۔ لیکن ان کے رنگوں میں تھوڑا بہت فرق تھا۔ فہیم اٹھ کر ذرا دور ہوا تو وہ لہر حرکت کرنے لگی۔ سلمان نے اسے محفوظ کر لیا۔

''اب یہ جہاں بھی ہوگا، اس کے بارے میں نشاندہی ہوتی رہے گی۔'' سلمان نے حتمی انداز میں بتایا

''تو یہ تھی وہ تکنیک۔'' میں نے کہا اور اس کے ساتھ ہی سب سمجھ گیا کہ وہ میرے ساتھ کیا کرتا رہا ہے۔ تبھی میں نے کہا۔

''اب دیکھو، میں اس سے کیسے بچ گیا۔'' میں نے کہا تو وہ دونوں میری طرف تجسس سے دیکھنے لگے۔ میں نے تفصیل بتائی تو انہوں نے خاموشی سے سنا۔ تبھی فہیم اٹھا اور کمرے کے ایک کونے میں رکھے ہوئے بیگ تک گیا، وہاں سے اس نے پرفیوم کی بوتل لی اور خود پر چھڑکنے لگا۔ تبھی وہ لہر معدوم ہو گئی۔

''ظاہر ہے، وقتی طور پر یہ انسانی جسم کی لہریں ڈسٹرب تو کرتی ہے۔ جیسے کتا بھی اسی تکنیک پر بھونکتا ہے۔ اصل میں کتے کو دیکھ کر انسانی جسم سے ایسی شعاعیں خارج ہوتی ہیں کہ کتا ڈر جاتا ہے اور وہ اپنے بچاؤ کے لیے یہ سب کرتا ہے۔ خیر یہ تکنیک ابھی عام نہیں ہوئی۔ میں اروند کو بتا دوں، یہ جسپال کے پاس بھی ہونی چاہئے۔'' سلمان نے کہا تو میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مزہ تو تب ہے اگر، اس کا توڑ بھی تلاش کر لو۔''

''اب ہو جائے گا۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔

''اچھا اب نیچے ایک قیدی پڑا ہوا ہے، اسے پتہ نہیں چلنا چاہئے، اس کی لہریں لے لو کیونکہ یہ تکنیک اسی کے سیل فون سے تھی۔'' میں نے بتایا تو وہ ہر بات سمجھ گئے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ وہ اٹھ گئے۔ تب میں نے نوتن کور کو پوری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔ اس سے پوچھا کہ اب سندیپ کا کیا کرنا، بچن کور سے پوچھ کر بتاؤ۔ اس نے کچھ دیر ٹھہر کر جواب دینے کو کہا تو میں اٹھ کر بانیتا کور کے پاس چلا گیا۔ مجھے ابھی الیکٹرونکس انجینئر کی رپورٹ کا بھی انتظار تھا۔

☆......☆......☆

صبح کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ لیکن طلوع سحر کے باعث روشنی پھیل رہی تھی۔ جسپال اپنے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا کھڑکی میں سے دیکھ تو باہر رہا تھا لیکن اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ بلدیو سنگھ نے آتے ہوئے ایک خوشخبری کے بارے میں کہا تھا۔ وہ یہی تھی کہ لوگوں میں ایک دم سے ان کے لیے ہمدردی کی لہر اٹھ گئی تھی۔ لیکن یہ کوئی ایسا اشارہ نہیں تھا کہ وہ الیکشن جیت جانے کی وجہ

بن سکتی تھی۔ اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ ابھی بہت کچھ کرنے کو ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات گونج رہی تھی کہ بھارت میں الیکشن لڑنا اور بات ہے اور الیکشن جیتنا دوسری بات۔ یہ ایک آرٹ ہے وہی استعمال کرتا ہے جسے یہ آرٹ آتا ہو۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اگر یہ آرٹ ہے تو کیسے ہے؟ اس آرٹ کو کیسے سیکھا جا سکتا ہے، اسے کس طرح اپنے لیے استعمال کرے؟ وہ انہی خیالوں میں الجھا ہوا تھا کہ ہرپریت کور اس کے لیے گلاس میں دودھ لے کر آ گئی۔ اس نے دودھ کا گلاس اسے تھماتے ہوئے کہا۔

"لو یہ پی لو، پھر جلدی سے تیار ہو کر نیچے آ جاؤ۔"

"جلدی سے کیوں، آرام سے کیوں نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور گلاس میں سے سپ لے کر پاس دھری میز پر رکھ دی۔ ہرپریت کور ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"جلدی سے اس لیے کہ تمہیں ملنے کے لیے تھانے دار نیچے لان میں بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔"

"وہ۔! وہ اتنی سویرے سویرے۔" جسپال نے حیرت سے پوچھا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"یہ تو وہی بتا سکتا ہے۔"

"اچھا میں آتا ہوں۔ تم اسے کوئی ناشتہ بھجوا دو۔" جسپال نے کہا اور گلاس اٹھا لیا۔ ہرپریت اٹھ کر چلی گئی۔

وہ تیار ہو کر نیچے آیا تو ناشتے کی میز پر ہرپریت کے ساتھ کرن کور، نوتن کور اور بلدیو سنگھ بیٹھے ہوئے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ وہ ان سے ملا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہرپریت تم تو تھانیدار کا کہہ رہی تھی؟"

"وہ بیٹھا ہے باہر۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اور تم لوگ کب آئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"رات دو بجے کے قریب، انوجیت ہمارے ساتھ ہی آیا تھا۔ وہ صبح صبح کہیں نکل گیا ہے۔" بلدیو نے کہا تو جسپال اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں ذرا تھانے دار......"

"تم ناشتہ کرو، بیٹھا رہنے دو اسے۔" ہرپریت نے کہا اور پلیٹ اس کی جانب سرکا دی۔ ناشتے کے دوران وہ نکودر میں ہونے والے معاملے کی روداد سناتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ انتظامیہ اور سیاست دانوں کے لیے اک بڑا سوال چھوڑ کے آئے تھے۔ خوشگوار ماحول میں ناشتہ ختم کر لینے کے بعد بلدیو نے کہا۔

"اسے جلدی فارغ کر کے آؤ۔ میں نے تم سے ایک اہم بات کرنی ہے۔"

"او کے۔" جسپال نے کہا اور اٹھ گیا۔

تھانے دار لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ پورچ میں آیا، اسے دیکھتے ہی وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جسپال اس کے پاس جا کر کرسی پر بیٹھ گیا تو وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"گڈ مارننگ سر۔"

"گڈ مارننگ، بولو کیسے آئے ہو؟"

"میں نے جی آپ کو سلام کرنا تھا اور صاحب کا ایک چھوٹا سا پیغام آپ تک پہنچانا تھا۔" اس نے شرمندگی اور لجاجت سے کہا۔

"اچھا، میرے پاس وقت نہیں ہے، جو کہنا ہے جلدی سے کہو۔" جسپال نے سرد لہجے میں کہا۔

"بس جی غلطی ہو گئی، صاحب کہتے ہیں کہ معاف کر دیں، میں اس لئے......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی

"اس نے یہ سب کیا کیوں، جبکہ تم لوگوں کا پتہ تھا کہ گجندر سنگھ کو میں نے نہیں مارا، میں اس وقت کہاں تھا، وہ کہیں مرا اور......" جسپال نے کہنا چاہا تو وہ تیزی سے بولا۔

"سر معذرت خواہ ہوں کہ آپ کی بات کاٹ رہا ہوں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کو یا انوجیت جی کو ابھی سیاسی زندگی کا تجربہ نہیں ہے۔ ان سیاسی لوگوں کے ساتھ ہماری کیا مجبوری ہوتی ہے، یہ ہم ہی جانتے ہیں۔"

"میں بحث نہیں چاہتا، مجھے وہی کرنا ہے جو قانون

اور انصاف چاہتا ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔'' جسپال نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

''جو میں نے کہا۔'' یہ کہہ کر وہ واپسی کے لیے مڑ گیا۔ تھانیدار چند لمحے کھڑا دیکھتا رہا پھر وہ بھی واپس چلا۔ جسپال سیدھا اندر گیا، جہاں جُوتی نے بتایا کہ وہ سب اوپر آپ کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

بلدیو سنگھ، نوتن کور، کرن کور کے ساتھ ہرپریت بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے ہی جسپال سنگھ ان کے پاس بیٹھا تو بلدیو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جسپال سنگھ جی، یہ جانتے ہو کہ مافیا کیا ہوتا ہے؟'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ خود ہی کہنے لگا''خیر۔! جو بھی کہتے ہیں، تم نے اس کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ چند لفظوں میں یوں سمجھ لو کہ ایک خاص مقصد کے لیے لوگوں کا اشتراک ہوتا ہے۔ جو ہر طرح کا ہتھکنڈہ استعمال کر کے اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں۔ تم نے کرکٹ جواء تو سنا ہوگا، بظاہر کوئی بندہ سامنے دکھائی نہیں دیتا، لیکن پوری دنیا میں یہ جواء کھیلا جاتا ہے، آخر کون لوگ ہیں اسے منظم کرنے والے، کوئی قوت تو ہوگی؟ اسی طرح اب ہر معاملے میں مافیا کام کر رہا ہے۔ معیشت پر مافیا، لینڈ پر مافیا، یہاں تک کہ سیاست پر بھی مافیا ہی کام کر رہا ہے۔ اس کا کسی پارٹی، کسی گروہ یا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا تمہیں اس معاملے کی خبر ہے؟''

''نہیں، میرے لیے ایک نئی بات ہے، لیکن سمجھ میں آتی ہے۔'' جسپال نے جواب دیا

''میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جاؤں گا، صرف اتنا کہوں گا کہ جس طرح لینڈ مافیا میں دلال ہوتے ہیں، معاشی معاملات میں دلالی چلتی ہے، بالکل اسی طرح عالمی سطح پر سیاست مافیا میں بھی دلال موجود ہیں اور یہ ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بھارت میں بھی۔'' بلدیو نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ کسی آرٹ کے ساتھ الیکشن میں امیدوار جتواتے ہیں؟'' جسپال نے پوچھا۔

''ہاں۔! نچلے درجے کا سیاسی ورکر بھی اس میں شامل ہے، جسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ وہ کس کے لیے کیا کام کر رہا ہے۔ اور اوپر تک وہ سارے لوگ شامل ہوتے ہیں، جنہوں نے حکومت بنانی ہوتی ہے۔''

''تو ہمیں کیا کرنا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں نے ایسا ہی ایک دلال تلاش کر لیا ہے۔''

''یہاں، اس حلقے کے لیے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں، انو جیت کی جیت سو فیصد ہوگی۔ رقم انہیں ملنی چاہئے۔ کیونکہ انہوں نے کسی ایک کے ساتھ تو سودا طے کرنا ہے۔'' بلدیو نے پر یقین لہجے میں کہا تو جسپال چند لمحے سوچتا رہا، پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''تم اگر سمجھتے ہو کہ انہیں رقم دے دی جائے تو دے دو۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ وہ......''

''ضمانت ہے، پوری ضمانت ہے۔ انہوں نے دس کروڑ مانگے ہیں، جن میں سے میں نے پانچ انہیں دے دیئے ہیں۔'' اس نے پرسکون انداز میں کہا۔

''دے دیئے؟'' جسپال نے چونکتے ہوئے کہا۔

''ہاں، اور میں اس کا مطالبہ بھی نہیں کروں گا، باقی الیکشن جیتنے کے بعد، اور اگر وزیر بنانا ہے، وہ بعد میں ڈیل ہوگی۔ سمجھ لو کہ یہ انوسٹمنٹ ہے۔'' اس نے جسپال کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ڈن ہو گیا۔'' جسپال نے کہا۔

''اب ہمیں چنتا کی ضرورت نہیں۔ اب جو کرنا ہے انہوں نے ہی کرنا ہے۔ یہاں تک کہ وہ جلسے بھی ارینج کریں گے اور ووٹر کو گھر سے بھی لائیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ ہنس دیا۔

''اب کیا کرنا ہے؟'' کرن کور نے پوچھا۔

''انجوائے کرو، باقی سب الیکشن کے بعد ہوگا۔'' اس نے کہا اور کرسی پر مطمئن انداز میں براجمان ہو گیا۔ انہی لمحات میں نوتن کور کا فون بج اٹھا۔ وہ جمال کا فون تھا۔ اس نے ساری بات سن کر فون بند کیا اور سب کو بتا دیا۔

''اب کیا کریں؟''نوتن نے پوچھا۔
''بچن کور سے پوچھ لیں۔ وہ جیسے کہے، اسے مجبوری بھی بتا دینا کہ اس وقت وہ کن لوگوں کے پاس ہے۔'' جسپال نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ باقی سب نے بھی اس کی تائید کردی۔

☆......☆......☆

شام ہونے کو تھی۔ الیکٹرونکس انجینئر نے بھی رپورٹ دے دی تھی کہ جو کچھ بھی تھا، اس کے کھلونوں میں چھپا ہوا تھا۔ عام آدمی کی نگاہ اس کے خفیہ فون پر نہیں پڑتی تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس طرح کے کھلونے بیچنے والا آدمی کوئی خفیہ ایجنٹ بھی ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ہوتا ایسا ہی ہے۔ اس نے اپنے بچاؤ کے لیے چھوٹی موٹی بیٹریاں اس میں چھپائی ہوئی تھیں۔ مجھے اس کی ساری سمجھ آ گئی تھی۔ دوپہر سے لیکر شام تک سندیپ نے مجھے ان کے پاکستان اور خاص طور پر لاہور میں موجود نیٹ ورک کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ چند اہم بندے نذیر طارق کے ڈیپارٹمنٹ نے پکڑ بھی لیے تھے۔ شام ہونے تک وہ بہت ساری کامیابیاں حاصل کر چکے تھے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ نوتن کور نے بچن کور کا پیغام مجھے دے دیا تھا۔ وہ اسے زندہ سلامت چاہتی تھی۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد میں اب سندیپ کور کو نہیں رکھ سکتا تھا۔ اسے قانون نافذ کرنے والے ادارے کو دینا تھا یا پھر میں اپنے ہاتھوں سے اسے گولی مار دوں۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھا اسی سوچ میں گم تھا کہ ہلکے سے دروازہ بجا اور سندیپ کور میرے سامنے آ گئی۔ وہ میرے سامنے چند لمحے کھڑی رہی، پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔
''میں تم سے ایک بھیک مانگتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم منع نہیں کرو گے۔''
''بولو۔!'' میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو وہ لرزتے ہوئے ہونٹوں سے بولی۔
''اس سنیل ورما کو مارنے کی اجازت دے دو۔''
''تم مارو گی اسے؟'' میں نے پوچھا۔
''ہاں، میں اپنے ہاتھوں سے ماروں گی یا خود اس کے ہاتھوں سے مر جاؤں گی۔'' اس نے انتہائی نفرت سے کہا۔
''اس کا فائدہ کیا ہوگا۔ کچھ بھی نہیں۔ اور دوسرا بچن کور تمہیں زندہ دیکھنا چاہتی ہے، اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، کیا کرنا چاہتی ہو۔''
''میں بچن کور کے خلوص کی قدر کرتی ہوں۔ میں مر گئی تو اس تک میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میرے اندر کی سکھنی بیدار ہو گئی ہے۔ وہ سب سمجھ جائے گی۔''
''سندیپ۔! میں سمجھتا ہوں کہ تم ایک سمجھدار لڑکی ہو۔ یوں اپنی جان گنوانے کا فائدہ تو بتاؤ۔'' میں نے پھر اسے یہ احساس دلایا تو وہ چونکتے ہوئے میری طرف دیکھنے لگی۔ پھر چند لمحے سوچتی رہی پھر اچانک اس نے سر اٹھایا اور بڑے پر اعتماد لہجے میں بولی۔
''تو پھر تمہیں ایک بہت بڑا جوا کھیلنا ہوگا، بہت بڑا، بڑا رسک ہوگا اس میں، اگر ایسا کر سکتے ہو تو بتاؤ، تمہاری بات بھی رہ جائے گی اور میرا مان بھی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ کوئی بہت ہی بڑا فیصلہ کر چکی ہے۔
ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ

